محمود، فاروق، فرزانہ

اور ـــ انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۵۶۶

موت کا سفر

اشتیاق احمد

نام ناول ـــــ موت کا سفر
طابع ـــــ اشتیاق احمد
طبع اوّل ـــــ اپریل ۱۹۹۴ء
کتابت ـــــ محمد سعید نامدار
سرورق ـــــ طاہر ایس ملک
قانونی مشیر ـــــ اعجاز احمد ایڈووکیٹ
مطبع ـــــ عظیم علیم پرنٹرز
قیمت ـــــ دس روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد ـــ مسلم پورہ ـــ سانده کلاں ـــ لاہور
فون: 7246356

محمد الیاس بالاکوٹی

ایک آیت ○ ایک حدیث
اور ـــــ حاصلِ اسباق

آیت : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ترجمہ : ہر قسم کی تعریف صرف اللہ کی ہے جو تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے۔

حدیث : قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَإِذَا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دی گئی ہے اور میرے بندے کا وہ حق ہے جو وہ مانگے؛ چنانچہ جب وہ کہتا ہے، الحمد للہ رب العالمین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے نے میری حمد و ثنا کی اور جب الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے نے میری ستائش کی۔ الی آخر۔

سورۃ فاتحہ کے بے شمار فضائل ہیں۔ یہ تمام سورتوں سے افضل ہے۔ یہ قرآن کریم کی تعلیمات کا خلاصہ و ماحصل ہے۔ اسلامی تعلیم کا منبع ہے۔ افضل ترین عبادت نماز کا اہم جزو ہے۔ یہ شفا ہے، دُعا ہے، دوا ہے، قضا ہے، بندے کی ادا ہے، نیاز ہے، سوز ہے، گداز ہے۔

یہ قرآنِ کریم کی واحد سورت ہے کہ کوئی مسلمان نہ ہوگا جسے یہ یاد نہ ہو۔ اور جیسا کہ حدیث کا مفہوم ہے، یہ بندے اور خُدا کے درمیان رابطہ اور مُشترکہ چیز ہے۔ فاتحہ کا پہلا حصّہ حمدِ باری ہے، جو خُدائی حصّہ ہے۔ دُوسرا حصّہ دُعا التجا نیاز ہے، جو بندے کا حصّہ ہے۔

اس سے یہ سبق بھی ملا کہ تمام کائنات گھٹ بڑھ رہی ہے، کیونکہ ربوبیت پرورش کو کہتے ہیں۔۔

دو باتیں

السلامُ علیکم!

ایک پُرانے دوست نے اس مرتبہ ایک نئی فرمائش کی ہے۔ اس قسم کی فرمائش اس سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں کی۔ کافی عرصے تک ان صاحب کو میری طرف سے ہر ماہ ناولوں کا پیکٹ اعزازی طور پر ملتا رہا۔ پھر چند وجوہات کی بنا پر، جن کا ذکر کرنا ذرا اُلجھن کا باعث ہے، میں نے انھیں ناول بھیجنے بند کر دیے۔ انھوں نے ایک دو مرتبہ خط لکھ کر اس طرف توجہ دلانے کی بھی کوشش کی۔ لیکن ناول تو میں نے خود بند کیے تھے۔ بھول میں تو ایسا ہو نہیں رہا تھا۔ لہٰذا میں نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اب ایک بار پھر ان کا خط ملا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ایک زمانہ تھا جب آپ مجھے اپنی کتابیں بھیجا

کرتے تھے، اب تو آپ کے ناولوں کو دیکھنے کو ترس گئے ہیں — ناول نہیں بھیجتے، نہ سہی، اپنے ہر ماہ کے ناولوں کی دو باتیں ہی فوٹو کاپی کروا کر بھجوا دیا کریں — کیونکہ اکثر و بیشتر وہ "خاصے کی چیز" ہوتی ہیں، فکر و عمل کے کئی پہلو ان میں پوشیدہ ہوتے ہیں —

یہ خط پڑھ کر میں مسکرا دیا — ناول بند کرنے کی وجوہات کچھ بھی رہی ہوں — یہ خط پڑھ کر میں خود کو نہ جانے کیوں مجبور پا رہا ہوں کہ کتابیں انھیں پھر سے شروع کر دوں — نہ جانے کیوں — یا شاید اس لیے کہ انھوں نے ایک انوکھے انداز میں اپنا مطالبہ دہرایا ہے —

یہ دو باتیں وہ بھی یقیناً پڑھیں گے — کیا ہی اچھا ہو — وہ ان دو باتوں کو بھی "خاصے کی چیز" سمجھ لیں اور اس پہلو پر غور فرما لیں کہ میں نے انھیں ناول ارسال کرنے کا سلسلہ ختم کیوں کر دیا تھا —

اشتیاق

یکم مارچ ۱۹۹۴ء

موت کا پیغام

نواب شنکر خان کے فون کی گھنٹی بجی — انھوں نے فوراً ریسیور اُٹھایا:

"نواب شنکر خان بات کر رہا ہوں — فرمائیے آپ کون ہیں" انھوں نے کہا۔

"ملک الموت — تیار ہو جائیے"

"کیا مطلب — یہ ملک الموت فون کر کے کب سے تشریف لانے لگے؟" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ملک الموت کی مرضی — جس طرح چاہے آئے"

"گویا تم میری موت کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں! یہی بات ہے"

"لیکن میرا قصور کیا ہے؟" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"قصور تو آپ کے بے تحاشہ ہیں" آواز سنائی دی۔

"پتا بھی تو چلے"

"تم نے سمگلنگ کے ذریعے بے تحاشہ دولت جمع کی — ذخیرہ اندوزی کے ذریعے بے تحاشہ روپیہ سمیٹا — چور بازاری کے ذریعے دولت کے انبار جمع کیے — آج دولت کے یہ انبار آپ کے پاس موجود ہیں، لیکن آپ کے کام نہیں آئیں گے — آپ اس دولت سے کوئی فائدہ اٹھا نہیں پائیں گے، اس لیے کہ آپ کا وقت پورا ہو گیا ہے۔"

"ن — نہیں — میں ابھی مرنا نہیں چاہتا — مجھ پر رحم کریں۔"

"ملک الموت سے اور رحم کی بھیک — دماغ تو نہیں چل گیا۔" آواز میں غرّاہٹ تھی۔

"جس آدمی کے سر پر موت کھڑی ہو — اس کا دماغ چلے گا نہیں تو کیا ایک جگہ ٹکا رہے گا۔" نواب شکر خان نے بھنّا کر کہا۔

"مجھ سے اس لہجے میں بات — اب تو میں تمھیں تڑپا تڑپا کر ختم کروں گا — پہلے میرا خیال تھا کہ ایک ہی جھٹکے میں رُوح نکال لوں گا۔"

"ارے باپ رے — تت — توبہ میری — جو اب سمگلنگ کی — ذخیرہ اندوزی سے تو میری اولاد تک کی توبہ — اور چور بازاری بھی نہیں کروں گا — میں اپنی نصف دولت

غریبوں میں تقسیم کرنے کو تیار ہوں — اور فرمائیے۔"

"اس سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟" آواز سنائی دی۔

"ہائیں — ملک الموت کو فائدے اور نقصان کی کیا ضرورت؟" ان کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"میں ذرا ماڈرن قسم کا ملک الموت ہوں — لوگوں کو موت کا تحفہ دینے کے ساتھ ساتھ ان کی دولت بھی حاصل کرتا ہوں اور جو عیش اس سے وہ نہ کر سکے — وہ میں کرتا ہوں۔"

"ہل — لیکن میں نے تو سنا تھا — کہ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔" وہ بولے۔

"اوہ! تو آپ اب تک اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں — کہ میں وہ والا ملک الموت ہوں۔"

"تو کیا اب ملک الموت بھی طرح طرح کے ہونے لگے ہیں — وُہ والے اور یہ والے — اُس والے اور اِس والے۔" نواب شکر خان نے جھلّا کر کہا۔

"اوہ! نہیں — میں دراصل تمھارا دشمن ہوں — اور آج ٹھیک نو بجے تمھارا کام تمام کر دوں گا۔"

"ن — نہیں — ایسا نہ کرو — آخر تم میرے دشمن کیوں ہو؟"

"بس ہوں — یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے۔"

"تو پھر اور کون سی بات ہوتی ہے بتانے والے؟"

"یہ بات کہ تمھاری موت کب ہونے والی ہے — آج رات ٹھیک نو بجے — تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے — جو کرنا ہے کر لو — تمھارے پاس کُل چھے گھنٹے ہیں — صرف چھے گھنٹے — اپنی آخرت کی فکر کرو، دنیا میں ایسے بہت کم لوگ ہوں گے جنھیں وقت سے پہلے یہ پتا چل جاتا ہے کہ ان کی موت کب ہونے والی ہے — لہٰذا وہ مرنے سے پہلے پہلے آخرت کے لیے کچھ کر گزرتے ہیں — اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کیا کرتے ہیں؟" آواز میں تیزی آ گئی۔

"میں سمجھ گیا۔" نواب شکر خان نے ہنس کر کہا۔

"اور کیا سمجھ گئے آپ؟"

"یہ کہ آپ میرے کوئی دوست ہیں — آواز بدل کر بات کر رہے ہیں — اور یہ آپ کا مذاق ہے — لیکن میرے دوست — میں نے آپ کی آواز پہچان لی ہے۔"

"اوہو اچھا — ذرا میں بھی تو سنوں — آپ کیا سمجھ گئے ہیں؟"

"آپ میرے دوست اکرام فوری ہیں۔"

"یعنی اکرام فوراً — یہ کیا نام ہوا؟"

"آپ غلط سمجھے جناب — فوری ذات ہے — تو آپ اکرام فوری بھی نہیں، ہیں؟"

"نہیں! اگرچہ یہ نام مجھے بہت پسند آیا ہے — ملک الموت کے لیے فوری نام بہت اچھا ہے — اسے بھی ہر حکم فوری دیا جاتا ہے۔"

"کیا فوری فوری لگا رکھی ہے — کام کی بات کرو۔"

"یہ باتیں اگر کام کی نہیں تو کیا دوسری دنیا میں جا کر کام کی بات کریں گے؟"

"آخر تم کون ہو — آواز تو میرے دوست اکرام فوری سے ملتی جلتی ہے۔"

"میں کسی کی آواز میں بھی بات کر سکتا ہوں۔"

"ارے! اس بار تو میری اپنی آواز میں بات کی ہے تم نے۔" وہ چونکے۔

"ہاں! اب غور سے سنو — آج رات ٹھیک نو بجے میں تمھاری روح نکال لوں گا — جو کرنا ہے — اس سے پہلے کر لو۔"

"لیکن ملک الموت تو کبھی اس طرح اطلاع دے کر نہیں آتے۔"

"زمانہ بہت بدل گیا ہے — لوگ اللہ کو بھول گئے

ہیں — اب تم دیکھنا، یہ چھے گھنٹے تمہارے کس بے چینی، گھبراہٹ اور خوف سے گزرتے ہیں — میری باتوں کی سچائی کا ثبوت یہ ہو گا کہ اب سے صرف ایک گھنٹے بعد تمہارا کتا مر جائے گا — وہ کتا جس سے تم بہت زیادہ پیار کرتے ہو — اس کتے کو بھی تمہارے ساتھ ہی دوسری دنیا میں بھیجا جا رہا ہے — تاکہ تم وہاں بھی اس کے ساتھ رہ سکو۔"

"نن — نہیں۔"

"اب نہیں کہو یا ہاں — وقت آ چکا ہے — دوسری دنیا میں اگر کچھ آسانی چاہتے ہو نا تو اپنی تمام دولت غریبوں میں تقسیم کر دو۔"

"میں آپ کی باتوں کو مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں دے سکتا۔"

"تمہاری مرضی — ایک گھنٹے بعد اندازہ ہو جائے گا، جب تمہارا پیارا کتا موت کی گہری نیند سو جائے گا — اور اس کے بعد نو بجے تم خود دوسری دنیا میں پہنچ جاؤ گے — لیکن اگر تم نے ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر دی تو پھر شاید اللہ تعالیٰ کو تم پر رحم آ جائے اور وہ تمہیں اس دنیا میں اور رہنے کا موقع دے دے۔"

"غلط! موت کا وقت تو لکھا ہے — وہ تو ٹل ہی نہیں سکتا۔"

"تب پھر تم کیوں ڈر رہے ہو؟" آواز میں ہنسی شامل ہو گئی — اور ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔

نواب شکر خان نے اپنے جسم سے پسینہ پھوٹتا محسوس کیا، پھر وہ چلائے:

"جانو — رشید — قاسم — تم لوگ کہاں ہو — فوراً ادھر آؤ۔"

دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر تینوں ملازم ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے:

"موتی کہاں ہے؟"

"جی — اپنے ڈربے میں آرام کر رہا ہے۔"

"جاؤ — اسے لے آؤ — جلدی کرو۔" وہ چلائے۔

"خیر تو ہے سرکار؟" ایک نے کہا۔

"سنا نہیں — اسے لے آؤ — جلدی کرو۔"

ملازم گئے اور "کتے" کو لے آئے — یہ ایک بہت بڑا اور خوبصورت کتا تھا — بالکل ٹھیک ٹھاک سا نظر آ رہا تھا —

"اب ڈاکٹر کو فون کرو — موتی کے ڈاکٹر کو۔"

"ڈاکٹر کو — ابا — تمہارے ہاں کوئی بیمار ہوا"

"تم احمق ہو، جو کہ رہا ہوں — وہ کرتے جاؤ۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور پھر ڈاکٹر کو فون کیا گیا۔

جلد ہی جانوروں کا ڈاکٹر وہاں پہنچ گیا:

"خیر تو ہے نواب صاحب! آپ کی طبیعت خراب ہے کیا؟" ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

"میری طبیعت خراب ہوتی تو کیا میں آپ کو بلاتا؟" انھوں نے جھلا کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے — خیر — کیا موتی کو کوئی تکلیف ہے؟"

"آپ ذرا موتی کو چیک کر لیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

ڈاکٹر نے موتی کو اچھی طرح دیکھا بھالا، پھر بولے:

"یہ تو بالکل ٹھیک ہے۔"

"آپ ذرا اسے اچھی طرح چیک کریں۔"

"کیا آپ کے خیال میں میں نے موتی کو سرسری انداز میں دیکھا ہے۔" ڈاکٹر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں! میں تو یہی خیال کرتا ہوں۔"

"ایسی بات نہیں ہے — پھر بھی میں آپ کے اطمینان کے لیے ایک بار پھر اسے چیک کر دیتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے کتے کو اس مرتبہ خوب اچھی طرح چیک کیا اور بولے:

"نہیں جناب! یہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"ہوں اچھا — اب آپ کو اس کتے کے ساتھ ایک گھنٹے تک رہنا ہو گا۔"

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر چونکا۔

"آپ ایک گھنٹے تک کتے کے ساتھ رہنے کا مطلب نہیں سمجھے"

"میں انسان ہوں — اور مجھے دوسرے مریضوں کو بھی دیکھنا ہے — تو میں کیوں اس کے ساتھ ایک گھنٹے تک رہوں۔"

"آپ اس کے ڈاکٹر ہیں، لہٰذا آپ کو رہنا ہو گا — ہاں آپ ایک گھنٹے تک ساتھ رہنے کی جو فیس طلب کریں گے، میں ادا کروں گا۔"

"ایک گھنٹہ بہت وقت ہے نواب صاحب! میں ہر ایک گھنٹے میں قریباً بارہ مریضوں کو دیکھتا ہوں اور ہر مریض سے میں پانچ سو روپے فیس لیتا ہوں — گویا ایک گھنٹے میں ۶۰۰۰ روپے کماتا ہوں۔"

"آپ کو چھے ہزار ادا کیے جائیں گے۔"

"شکریہ! اس صورت میں میں ضرور یہاں ٹھہروں گا۔"

"ویسے آپ ادویات اور انجکشن وغیرہ تیار کر لیں۔"

"لیکن کس لیے؟"

"موتی کی طبیعت اچانک خراب ہونے کے امکانات ہیں۔"

"میں پہلے ہی اسے حفاظتی ٹیکہ لگا دیتا ہوں۔"

"کچھ بھی کریں — میں چاہتا ہوں — موتی کو کچھ نہ ہو۔"

"لیکن یہ تو ہے ہی بالکل ٹھیک۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے — ڈاکٹر صاحب اگر موتی کو کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گا۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں — موتی صرف ایک کتا ہے، جب کہ آپ کے گھر میں آپ کی بیوی ہیں، بچے ہیں اور دوسرے رشتے دار ہیں۔"

"بیوی — بچے — دوسرے رشتے دار" وہ بڑبڑائے۔

"ہاں! کیا نہیں ہیں؟"

"بالکل ہیں، لیکن مجھے موتی سے بھی تو حد درجے محبت ہے۔"

"تب پھر آپ بے فکر رہیں — موتی کو کچھ نہیں ہو گا۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

"کیا آپ کو یقین ہے؟"

"ہاں بالکل — موتی اس وقت ہر لحاظ سے فٹ ہے۔"

"اچھی بات ہے — وقت کیا ہوا ہے؟"

"اس وقت سوا تین بجے ہیں۔"

"گویا پینتالیس منٹ باقی ہیں۔" وہ بڑبڑائے۔

"پینتالیس منٹ باقی ہیں، لیکن کس بات کے لیے؟" ڈاکٹر

نے حیران ہو کر کہا۔

"پینتالیس منٹ کے بعد بتا سکوں گا۔"

اور پھر ایک ایک کر کے پینتالیس منٹ پورے ہو گئے، جونہی پینتالیسواں منٹ پورا ہوا — موتی نے ایک چیخ ماری اور گر کر تڑپنے لگا۔

"ارے! اسے کیا ہوا؟" ڈاکٹر چلایا۔

"اسی لیے آپ کو روکا تھا — جلدی کرو ڈاکٹر — اسے بچاؤ۔" نواب شکر خان چلائے۔

ڈاکٹر صاحب فوراً حرکت میں آ گئے — پہلے تو فوراً کتے کے بازو میں انجکشن لگایا — پھر منہ میں دوا ڈالی، لیکن اس کے تڑپنے میں کوئی فرق نہ آیا —

اچانک کتا ساکت ہو گیا — اور اس کے ساتھ نواب شکر خان اور ڈاکٹر صاحب بھی بالکل ساکت ہو کر رہ گئے۔

کایا پلٹ

"ڈاکٹر صاحب! یہ — یہ کتا — اسے کیا ہو گیا — یہ — یہ تو ابھی تھوڑی دیر پہلے بالکل ٹھیک تھا۔" نواب شکر خان نے بدحواس ہو کر کہا۔

"ابھی دیکھ کر بتاتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا اور کتے پر جھک گیا — وہ ڈاکٹر کی طرف اور کتے کی طرف باری باری جلدی جلدی دیکھنے لگے — آخر ڈاکٹر نے سر اٹھایا اور بولے:

"میری سمجھ سے باہر ہے کہ اسے کیا ہوا ہے — لیکن یہ مر چکا ہے۔"

"کیا کہا — مر چکا ہے — لیکن کیسے — اور کیوں؟"

"کیسے اور کیوں کا جواب، پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دے سکتی ہے — اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں تو پوسٹ مارٹم کرانا ہو گا۔"

"اور یہ کام کتنی دیر میں ہو جائے گا۔" انھوں

نے فوراً گھڑی کی طرف دیکھا — اس نامعلوم آدمی کے الفاظ انھیں یاد آ گئے — اس نے کہا تھا — اب سے ٹھیک ایک گھنٹے بعد ان کا کتا مر جائے گا — اور رات کے ٹھیک نو بجے — یعنی چھ گھنٹے بعد وہ مر جائیں گے —

"اس کام میں وقت لگتا ہے — زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے۔"

"اوہ — تب تو ڈاکٹر صاحب — یہ کام کرا ڈالیں، لیکن جلد از جلد — میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں اس کام کے زیادہ سے زیادہ پیسے دے کر کم سے کم وقت میں کرانا چاہتا ہوں۔"

"اس صورت میں یہ کام ایک گھنٹے میں ہو سکتا ہے۔"

"بہت خوب! تو پھر آپ ایک گھنٹے میں رپورٹ مجھے لا دیں — میں آپ کو ایک لاکھ روپے ادا کر دوں گا۔"

"ایک لاکھ روپے — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — اس کام کے لیے تو پانچ ہزار ہی کافی ہیں۔"

"اچھی بات ہے — آپ جتنی رقم چاہیں گے — لے لیجیے گا — لیکن وقت نہ ضائع کریں — اب ہماری

ملاقات ایک گھنٹے بعد ہو گی۔"

" اچھی بات ہے۔"

ڈاکٹر صاحب یہ کہ کر اپنے انتظامات میں لگ گئے —
اور نواب شکر خان اندر آ گئے — انھوں نے فوراً اپنے
مینجر کو طلب کیا — اور بولے :

" میرے کتنے بچے ہیں ؟

" جی — کیا مطلب ؟" وہ دھک سے رہ گیا۔

" یار میں نے پوچھا ہے — میرے پاس کتنی دولت ہے؟"

" آپ نے یہ نہیں — بلکہ یہ پوچھا تھا ، میرے کتنے
بچے ہیں۔"

" غلط پوچھا تھا — اب بتاؤ — میرے پاس کتنی دولت ہے؟

" یہ بتانا تو مشکل ہے جناب — اکاؤنٹنٹ کو بلانا ہو گا۔"

" تو بلاؤ — میرے منہ کو کیا دیکھ رہے ہو۔"

" جی بہتر — لیکن بات کیا ہے — آپ بہت پریشان
اور گھبرائے ہوئے ہیں۔"

" تم جلدی سے اکاؤنٹنٹ کو بلاؤ۔" وہ غرّائے۔

پانچ منٹ بعد اکاؤنٹنٹ وہاں موجود تھا —

" نواب صاحب کے پاس کل کتنی دولت ہے۔"

" ایک ارب روپے کے قریب۔"

" ایک ارب روپیہ کتنا ہوتا ہے ؟" انھوں نے پوچھا۔

" آپ کو معلوم نہیں سر۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

" تم بتاؤ نا۔" وہ جھلّا کر بولے۔

" سو کروڑ روپیہ۔"

" سو کروڑ روپیہ کتنا ہوتا ہے ؟"

" یہ — یہ میں کیسے بتاؤں ؟" وہ پریشان ہو گیا۔

" کیوں — آخر تم اکاؤنٹنٹ ہو — تنخواہ کس بات کی
لیتے رہے ہو۔"

" آپ یوں سمجھ لیں — دس لاکھ جگہ ہزار ہزار روپے
اگر موجود ہوں — تو مل کر ایک ارب ہوتے ہیں۔" اس نے
سمجھانے کی کوشش کی ، لیکن وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ بات
غلط نہ ہو — کیونکہ اس انداز میں بتانے کا اس کی زندگی
میں پہلی بار موقع آیا تھا —

" اس کا مطلب ہے — میرے پاس بے تحاشہ دولت
ہے۔" انھوں نے کہا۔

" ہاں ! اسے بے تحاشہ ہی کہا جا سکتا ہے۔" اس نے
بے چارگی کے عالم میں کہا۔

" مینجر صاحب — جلدی کریں — وکیل صاحب کو بلا لیں۔"

" خیر تو ہے — آج آپ کو یہ کیا ہو گیا ہے ؟"

"بلاتے ہو یا نوکری سے نکالوں" وہ غرائے۔

منیجر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے — اس ملازمت سے نکلنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس نے فوراً وکیل کو فون کیا۔ پندرہ منٹ میں وکیل صاحب بھی آ گئے:

"وکیل صاحب — میرے پاس قریباً..." یہ کہہ کر وہ اکاؤنٹنٹ کی طرف مڑے:

"انھیں بتائیں — کتنی دولت ہے؟"

"ایک ارب روپیہ قریباً۔"

"سن لیا آپ نے؟"

"جی — ہاں" وکیل صاحب نے کانپ کر کہا۔ ایک ارب کا سن کر اسے جھرجھری سی آ گئی تھی۔

"اس میں سے دس دس لاکھ روپے فوراً میرے ہر بچے کے نام کر دیں اور باقی سب دولت غریبوں میں تقسیم کر دیں — لیکن یہ کام آج رات نو بجے سے پہلے پہلے ہو جانا چاہیے۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں اپنے الفاظ پھر دہراتا ہوں — میری تمام دولت میں سے دس دس لاکھ میرے ہر بچے کو دے دیں — دس لاکھ ہی میری بیوی کو دے دیں — باقی تمام دولت

نو بجے سے پہلے پہلے غریبوں میں تقسیم کر دیں۔"

"آپ کی وصیت میری سمجھ سے باہر ہے — ایسی وصیت تو وہ لوگ کرتے ہیں — جنھیں اپنی موت کا یقین ہو جائے — جب کہ آپ بالکل صحت مند ہیں۔"

"آپ ان باتوں کو نہیں سمجھیں گے۔"

"تو آپ سمجھا دیں — بات کیا ہے — پہلے یہ بتائیں، تاکہ پھر ہم آپ کی ہدایات کے مطابق کام کر سکیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے — میں بتا دیتا ہوں — میرا کیا جاتا ہے — جو جانا ہے — وہ تو نو بجے چلے جانا ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ساری بات دہرا دی — وہ حیرت زدہ رہ گئے —

"لیکن یہ اس شخص کا ایک خوف ناک مذاق بھی ہو سکتا ہے۔"

"کتے کی موت کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"یہ کسی آدمی کا چلایا ہوا خوف ناک چکر ہے — آپ اس چکر میں نہ آئیں — ذرا سوچیں — اگر وہ آپ کو دھوکا دے رہا ہے — اور آپ نو بجے سے پہلے پہلے ساری دولت لٹا بیٹھتے ہیں اور اس کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں تو آپ کی حالت کیا ہو گی؟"

"میری طرح میرا کتا بھی بالکل صحت مند تھا۔ ڈاکٹر کو
بلا کر میں نے اسے چیک کرایا۔ اور وہ اس نا معلوم
آدمی کے کہنے کے مطابق ٹھیک ایک گھنٹے بعد مر گیا۔
ویسے میں اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرا رہا ہوں۔"
نواب شکر خان نے کہا۔

"یہ تو خیر۔ آپ ٹھیک کر رہے ہیں۔ میں تائید
کرتا ہوں۔ لیکن دولت اس طرح نہ لٹائیں۔"

"مرنے کے بعد اگر دولت غریبوں میں تقسیم ہوئی
تو اس کا مجھے کیا فائدہ ہو گا۔"

"آپ کو اس کا فائدہ ویسے بھی نہیں ہو گا۔" وکیل
صاحب نے کہا۔

"کیا مطلب؟" انھوں نے چونک کر کہا۔

"آپ نے کون سا یہ دولت جائز طریقوں سے
کمائی ہے۔ آخرت میں فائدہ صرف جائز دولت اللہ
کے راستے میں خرچ کرنے سے ملے گا، نہ کہ ناجائز
راستوں سے کمائی ہوئی دولت بھی آخرت میں کام
آئے گی۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔ آخرت میں یہ دولت
میرے کچھ بھی کام نہیں آئے گی۔"

"جی نہیں۔ محنت کی کمائی کا اگر آپ ایک روپیہ بھی
کسی ضرورت مند کو دیں گے تو وہ ضرور کام آئے گا
اور شاید وہ ایک روپیہ قیامت کے دن ان ایک ارب روپوں
پر بھاری ہو گا۔"

"تب پھر میں کیا کروں؟"

"میرے نزدیک تو یہ آپ کے کسی دوست کا سنگین
مذاق ہے۔"

"ہاں! آواز تو میرے دوست اکرام فوری کی محسوس
ہو رہی تھی۔ لیکن اس نے اس بات کی پُر زور تردید
کی تھی۔ اور کہا تھا۔ وہ اکرام فوری نہیں۔ بلکہ
ملک الموت ہے۔"

"ملک الموت۔ یعنی موت کا فرشتہ۔ ارے باپ
رے۔" وکیل نے گھبرا کر کہا، پھر بولا:

"لیکن ملک الموت کو فون کرنے کی کیا ضرورت
پیش آ گئی؟"

"اور پھر کتا۔ کس طرح مر گیا؟"

"معاملہ بہت عجیب ہے۔ پتا نہیں۔ وہ نا معلوم
آدمی کیا چاہتا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اب میں کیا کروں؟"

"نیک مشورہ دوں آپ کو۔"

"ضرور — اس وقت ضرورت ہی نیک مشورے کی ہے۔" وہ جلدی سے بولے۔

"آپ انسپکٹر جمشید کی خدمات حاصل کرلیں — وہ اس قسم کے کاموں کے ماہر ہیں۔" وکیل نے کہا۔

"لیکن وہ کوئی پرائیویٹ جاسوس تو نہیں ہیں کہ ان کے بلانے پر آ جائیں گے۔" مینجر بولا۔

"وہ آ جائیں گے — ان میں یہی تو خوبی ہے۔"

"اچھا! میں فون کرتا ہوں — ان کا فون نمبر معلوم ہے؟"

"ابھی دیکھ لیتے ہیں ڈائریکٹری میں۔"

نمبر دیکھ کر انھوں نے ڈائل کیے — فوراً ہی ایک شوخ آواز سنائی دی:

"جی فرمائیے — کیا خدمت کر سکتے ہیں — ویسے ہم لوگوں کا کام خدمت کرنے کے سوا کچھ رہ ہی نہیں گیا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے — آپ کا نام؟"

"خادم کو فاروق احمد کو کہتے ہیں۔"

"لیکن میں نے تو انسپکٹر جمشید کے گھر کے نمبر ڈائل کیے تھے۔" انھوں نے کہا۔

"وہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں — لیکن اگر آپ کچھ

پریشان ہیں تو جیسا کہ آپ کی آواز سے صاف ٹپک رہا ہے، تو ہم بھی آپ کے کام کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"کیا ٹپک رہا ہے؟"

"صاف۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں نواب شکر خان ہوں۔"

"شکر ہے کہ آپ شکر خان ہیں — شکریہ خان ہوتے تو بھی ہم کیا کر لیتے۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"آپ یہ بتائیں — فون کس سلسلے میں کیا ہے — میری باتوں پر نہ جائیں۔"

"میں عجیب و غریب اور پُراسرار ترین حالات کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"آپ نے ایسا کر کے اچھا ہی کیا — باقی ماندہ زندگی آرام سے گزر جائے گی۔" دوسری طرف سے فاروق نے کہا۔

"یہ آپ نے کیا کہا — میری زندگی تو اس وقت عذاب بنی ہوئی ہے۔"

"اوہ معاف کیجیے گا — خیر آپ بات بتائیں۔"

"بات اگر آپ یہاں آ کر معلوم کر لیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"ٹھیک ہے ۔۔ ہم آ جاتے ہیں۔"

"میں آپ کو منہ مانگی فیس ادا کروں گا۔"

"منہ مانگی فیس ۔ کیا آپ کو کسی نے یہ بتایا ہے کہ ہم پرائیویٹ سراغ رساں ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نہیں ۔ یہ بات تو نہیں ہے۔"

"تو پھر جو بات ہے ۔ آپ وہ بتانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔"

"کوشش کر رہا ہوں ۔ آپ آ جائیں بس۔"

"اچھی بات ہے ۔ پتا لکھوائیں ۔ لیکن ہماری ایک شرط ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"ہمارے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کریں گے آپ ۔ جو ہم چاہیں گے، کریں گے۔"

"منظور ہے۔" انھوں نے فوراً کہا اور اپنا پتا نوٹ کروا دیا۔

"آپ نے اپنا کیا نام بتایا تھا ۔ نواب شکر دین؟"

"شکر دین نہیں ۔ شکر خان۔"

"اوہ اچھا ۔ اب یاد رہے گا۔"

نواب صاحب نے ریسیور رکھ کر ان کی طرف دیکھا:

"آپ ہر ایک کو منہ مانگا معاوضہ دینے کی کوشش میں ہیں ۔ خیر تو ہے؟"

"شش ۔ شاید موت کا خوف ہے۔"

"آپ کو کچھ نہیں ہوگا ۔ وہ کسی کا مذاق تھا۔"

"میں بھی اسے سو فیصد مذاق خیال کرتا ۔ اگر کتا نہ مر جاتا ۔ عین اس وقت جب کہ ڈاکٹر اسے بالکل صحیح قرار دے چکے تھے۔"

"یہ بات واقعی بہت حیرت انگیز ہے، لیکن ..."

"لیکن کیا؟" نواب صاحب بولے۔

"یہ کہ اس کی بھی کوئی نہ کوئی وضاحت ہو سکتی ہے اور یہ وضاحت انسپکٹر جمشید ہی کر سکیں گے۔"

"لیکن وہ تو آ ہی نہیں رہے ۔ ان کے تو صرف بیٹے سے ملاقات ہوئی ہے۔"

"وہ بھی کم نہیں ہیں ۔ انسپکٹر جمشید اس وقت کہیں اور ہوں گے ۔ لیکن آپ فکر نہ کریں ۔ وہ بھی آ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر آدھ گھنٹے بعد دروازے کی گھنٹی عجیب انداز سے بجی:

"یہ کس نے گھنٹی بجا دی ۔ لو میں کہتا ہوں ۔

میری ساری دولت غریبوں کو دے دو۔ اس نے کہا
تھا۔ اس صورت میں ضرور آپ کی موت کا وقت
ٹل سکتا ہے۔"

"نواب صاحب۔ آپ بچوں جیسی بات تو نہ کریں،
موت کا وقت تو مقرر ہے۔ وہ تو کسی صورت بدل
نہیں سکتا۔"

"ہاں! یہ بھی ہے۔"

جب یہ بات ہے تو پھر پہلے یہ پتا کرائیں۔
کون آیا ہے۔ ہم جو یہاں موجود ہیں۔ آپ کیوں
پریشان ہوتے ہیں۔"

ملازم نے آکر بتایا کہ انسپکٹر جمشید کے بچے آئے ہیں۔
اور یہ کہ انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا ہے۔ یہ
سن کر بولے:

"احمق ہو تم۔ انھیں فوراً یہاں لانا تھا۔"

"اوہ اچھا جناب۔" ملازم فوراً مڑ گیا۔ اور پھر محمود،
فاروق اور فرزانہ اس کمرے میں داخل ہوئے۔ انھوں
نے آتے ہی پہلے کمرے کا جائزہ لیا، پھر فرزانہ بولی:

"کوئی بہت سنگین اطلاع ملی ہے آپ کو۔ اسی
لیے آپ نے اپنے وکیل صاحب کو بلایا۔ کیا آپ کو

قتل کی دھمکی دی گئی ہے اور آپ وکیل صاحب کے
ذریعے اپنی وصیت مکمل کرانا چاہتے ہیں۔"

"آپ اندازے لگانے میں بہت ماہر ہیں۔" نواب
صاحب نے خوش ہو کر کہا، پھر موت کا خیال آتے
ہی ان کی مسکراہٹ بجھ گئی۔

"ہمارا کام ہی اندازے لگانا ہے۔"

"لیکن مجھے کسی نے موت کی دھمکی نہیں دی۔ ہاں
بات اس سے ملتی جلتی ہے۔"

"پہلے تو آپ ہمیں ساری بات بتائیں۔ ہم اس
وقت تک کوئی کام کی بات آپ کو نہیں بتا سکیں
گے، جب تک کہ آپ ہمیں پوری بات نہ بتا دیں گے۔"
محمود بولا۔

"بالکل ٹھیک۔" وکیل صاحب بولے۔

نواب صاحب نے انھیں پوری بات سنا دی۔
تینوں حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر فرزانہ نے چونک کر کہا:

"کتا کہاں ہے؟"

"اس کے پوسٹ مارٹم کی تیاری ہو رہی ہے۔"

"اس سے پہلے کہ پوسٹ مارٹم کیا جائے۔ ہم کتے کو
دیکھنا چاہتے ہیں۔ جلدی کریں۔"

"آئیے۔" نواب صاحب نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

وہ انھیں لے کر ڈاکٹر صاحب کے کلینک پر پہنچے۔ انھیں بتایا گیا کہ ڈاکٹر صاحب اپنے کلینک کے آپریشن تھیٹر میں موجود ہیں۔ وہ اس طرف بڑھے، لیکن دروازے پر موجود نگران نے انھیں روک لیا:

"آپ بغیر اجازت اندر نہیں جا سکتے۔ اندر پوسٹ مارٹم ہو رہا ہے۔"

"آپ ڈاکٹر صاحب کو بتائیں۔ نواب شکر خان آئے ہیں۔ وہ جس کتے کا پوسٹ مارٹم کرنے والے ہیں۔ میرا ہی کتا ہے۔"

"اوہ اچھا۔" اس نے چونک کر کہا، پھر اندر چلا گیا۔

جلد ہی انھیں اندر بلا لیا گیا۔ انھوں نے دیکھا، کتا میز پر پڑا تھا اور اس کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا:

"اوہ۔ یہ تو آپریشن شروع ہو چکا ہے۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"کیوں۔ کیا آپریشن نہیں کرنا تھا؟"

"یہ لوگ آپریشن سے پہلے کتے کو دیکھنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب۔"

"یہ کون صاحبان ہیں؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ۔ انسپکٹر جمشید کے بچے۔"

"اوہو اچھا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو۔ آئیے چلیں۔" محمود نے کہا۔

"یہ حضرات آپ کے پاس کیسے پہنچ گئے؟"

"پہنچے نہیں۔ بلائے گئے ہیں۔ وکیل صاحب کے مشورے سے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"بہت خوب۔" وہ بولے۔

اور وہ آپریشن تھیٹر سے باہر نکل آئے:

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"اب ہم کیا کہیں گے۔ بس خاموش رہیں گے۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"ہم چاہتے تھے۔ کتے کو پوسٹ مارٹم سے پہلے دیکھ لیں۔"

"افسوس! ایسا نہ ہو سکا۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔"

"سوال یہ ہے کہ اب میں کیا کروں۔ نو بجنے میں اب گھنٹے ہی کتنے رہ گئے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم نو بجے تک آپ کے ساتھ رہیں گے۔ فون کرنے والا اگر واقعی ملک الموت نہیں

تھا — اور جیسا کہ ہمارا اندازہ ہے کہ نہیں تھا — بلکہ کوئی انسان تھا، تو ہم آپ کو اس کے وار سے بچانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" وہ بولے۔

"آئیے — اب گھر چلیں۔"

وہ پھر نواب صاحب کی کوٹھی پہنچ گئے — انھوں نے پوری کوٹھی کا بغور جائزہ لیا — اس معاملے پر پوری طرح غور کیا — اور پھر ایک طرف آ کر بیٹھ گئے:

"ابھی تک ہمیں کوئی سرا ہاتھ نہیں لگا۔"

"ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ نواب صاحب کی موت سے کسے فائدہ پہنچتا ہے۔"

"صاف ظاہر ہے — اس کے بیوی بچوں کو۔"

"لیکن اگر وہ بیوی بچوں کو دس دس لاکھ دے کر باقی دولت تقسیم کرنے کا حکم دیں — تو فائدہ کسے ہو گا۔"

"مینجر صاحب کو — یا اکاؤنٹنٹ کو — کیونکہ دولت کی تقسیم کے انچارج تو یہی دونوں ہو سکتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے — یہ دونوں — یا ان میں سے ایک کا یہ سارا چکر چلایا ہوا ہے۔"

"فی الحال تو یہی کہا جا سکتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"گویا ہمیں تیل دیکھنا ہو گا — تیل کی دھار دیکھنا ہو گی۔" فاروق مسکرایا۔

"بلکہ اس گھر میں تو ہمیں ہر چیز ہی دیکھنا ہو گی۔"

"جب کہ نظر یہاں کچھ بھی نہیں آ رہا۔"

"ایک ہی چیز تھی — دیکھنے کے قابل — وہ بھی پوسٹ مارٹم کی نذر ہو گی — یعنی کہ کتا۔"

"اب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تک ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔"

اور پھر ٹھیک ایک گھنٹے بعد پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آ گئی — ڈاکٹر خود رپورٹ لے کر آئے تھے:

"لیجیے نواب صاحب — پوسٹ مارٹم کی رپورٹ حاضر ہے۔"

"اور یہ کیا کہتی ہے؟"

"اس کے مطابق — آپ کے کتے کی موت بالکل قدرتی ہے۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"کتے کی موت قدرتی ہے — تب پھر آپ کو فون کرنے والا ملک الموت ہی تھا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا بات کرتے ہو بھئی — ملک الموت فون کر کے کسی کی روح قبض نہیں کرتے۔"

"لیکن ہو سکتا ہے — آج کل کے حالات کے مطابق

اب انھوں نے اپنا طریقۂ کار بدل دیا ہو۔" فاروق مسکرایا۔
"یار مذاق نہ کرو۔ ڈاکٹر صاحب۔ آپ نے کتے کی لاش
کا کیا کیا؟"
"وہ ابھی تک مُردہ خانے میں موجود ہے۔"
"نواب صاحب! ہم چاہتے ہیں۔ آپ اس کی لاش
کو یہیں منگوا لیں۔ اور اپنے باغ میں دفن کرائیں۔ آخر
وہ آپ کا وفادار کتا تھا۔ وفاداری تو آج کل انسانوں میں
نہیں ملتی، لیکن کتے کبھی بے وفائی نہیں کرتے۔"
"ہاں! آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ وہ جب تک زندہ
رہا۔ مجھ پر اپنی جان وارتا رہا۔" نوابِ صاحب کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر وہ ڈاکٹر صاحب سے بولے:
"آپ کتے کی لاش کو یہیں منگوا لیں۔"
"او کے۔" وہ بولے۔
"اور آپ گڑھا کھودنا شروع کرا دیں۔ ہم کتے کو خود
اپنے سامنے دفن کروائیں گے۔"
"کیا اس میں آپ کو کوئی خاص بات نظر آئی ہے؟"
"خاص باتیں تو اس سارے معاملے میں موجود ہیں۔"
محمود نے منہ بنایا۔
نواب شکر خان نے دو ملازمین کو حکم دیا کہ باغ

میں ایک طرف ایک گڑھا تیار کریں۔ ان کی بات سُن
کر فاروق نے کہا:
"لیکن ایک کیوں۔ کیا آپ اپنی قبر نہیں بنوائیں گے۔"
"ارے باپ رے۔ کیا آپ کے خیال میں۔ میں
مرنے والا ہوں؟"
"مرنے والے تو سبھی ہیں۔" فرزانہ بولی۔
"آپ تو مجھے ڈراتے دے رہے ہیں۔ جب کہ میرا
خیال تھا۔ آپ مجھے ڈھارس دیں گے۔"
"جب سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے ناجائز
ذرائع سے دولت جمع کی ہے۔ اس وقت سے ہمیں آپ
کی ذات سے کوئی ہمدردی نہیں رہ گئی۔" محمود بولا۔
"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا، پھر انھوں نے ٹھہری
آواز میں کہا:
"یہ ٹھیک ہے۔ میں نے ساری زندگی ناجائز طریقوں
سے دولت کمائی ہے، لیکن اب میں پچھتاوا محسوس کر رہا
ہوں۔ آپ میرے لیے کچھ کریں۔"
"اس پچھتاوے کا بس ایک ہی حل ہے۔ اور وہ یہ
کہ آپ اس ساری دولت کو سرکاری خزانے میں جمع کرا
دیں۔ یا غریبوں میں تقسیم کرا دیں۔ آپ اپنی اولاد کو

بھی اس میں سے دس دس لاکھ نہیں دے سکتے۔ آپ کو
بالکل خالی ہاتھ ہونا پڑے گا۔ اس کوٹھی سے بھی الگ ہو
جائیں۔ اسے نیلام کر دیں ۔ اور نیلامی سے ملنے والی رقم
کسی سکول یا فلاحی ادارے کو دے دیں ۔ اس صورت میں ہم
آپ کی زندگی بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"موت اگر واقعی ملک الموت کے ذریعے آ رہی ہے
تو آپ کس طرح مجھے بچا سکتے ہیں؟"

"ملک الموت کے بغیر تو کسی کی موت آ ہی نہیں سکتی،
ہاں! اللہ چاہیں تو ایسا بھی ہو سکتا ہے ۔ میرا مطلب تھا،
اگر کوئی شخص آپ کو ہلاک کرنے کی ٹھان چکا ہے تو
اس کے ہاتھوں آپ کو بچانے کی پوری پوری کوشش ہم ضرور
کر سکتے ہیں ۔ لیکن اگر آپ کا وقت آ چکا ہے تو پھر
ہم آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے ۔ میں اپنی تمام دولت تقسیم کرنے کا اعلان
کرتا ہوں ۔ اپنی اولاد کو بھی کچھ نہیں دوں گا۔ اگر آج میں
مرنے سے بچ گیا ۔ تو کل صبح تمام دولت تقسیم کر دوں گا
اور خود کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے اپنا اور اپنے گھر کے افراد
کا گزارا کروں گا۔"

"لیکن کل صبح کیوں ۔ اس وقت کیوں نہیں۔"

"اگر آپ کہتے ہیں تو اسی وقت سہی۔" وہ بولے۔

"آپ اسی وقت کریں ۔ جو کرنا ہے۔"

"وکیل صاحب ۔ اکاؤنٹنٹ صاحب ۔ آپ شہر میں اعلان
کروا دیں ۔ میں چیک لکھ دیتا ہوں ۔ بنک کے پریذیڈنٹ
سے خصوصی اجازت لی جائے ۔ اور ساری دولت اسی وقت
نکلوا لی جائے۔"

"لیکن ۔ اس طرح آپ بالکل غریب ہو جائیں گے۔"

"کوئی پروا نہیں۔" انھوں نے کہا۔

اور پھر ان ہدایات پر عمل کیا گیا ۔ رات آٹھ بجے تک
تمام دولت تقسیم کر دی گئی ۔ دولت میں حصہ لینے والے اَن گنت
لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے ۔ نہ جانے کہاں کہاں سے آ
گئے تھے ۔ ان میں کچھ غیر ضرورت مند بھی تھے ۔ لیکن ان
لوگوں کو الگ الگ کرنا آسان کام نہیں تھا ۔ لہٰذا وہ کچھ
نہ کر سکے ۔ بس دولت تقسیم ہوتے دیکھتے رہے ۔ آخر میں
ان کے پاس صرف کوٹھی بچ گئی۔

"اب اس وقت اسے ہم کس طرح نیلام کر سکتے ہیں،
گاہک کہاں ملیں گے اس وقت؟"

"گاہک آپ کو ہم مہیا کر دیتے ہیں، نیلام آپ کر دیں۔"

"اوہو اچھا ۔ چلیے یہ بھی سہی۔"

اور پھر محمود نے خان رحمان اور ن کے کچھ دوستوں کو وہاں بُلا لیا۔ کوٹھی کو باقاعدہ نیلام دیا گیا۔ اسے خان رحمان کے ایک دوست نے پچاس لاکھ میں خرید لیا۔ انھوں نے رقم بھی نقد ادا کر دی۔ کوٹھی خالی کرنے کے لیے ان سے تین دن کی مہلت مانگ لی گئی۔ یہ دولت چند فلاحی اداروں کو دے دی گئی۔

"اب آپ کا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اب ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ توبہ بھی کریں کہ آئندہ زندگی میں کوئی ناجائز کام نہیں کریں گے۔ حلال روزی کمائیں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"ہم آپ کو کرائے کا مکان دلوا دیں گے۔ آپ اس میں رہ سکتے ہیں۔ کسی دفتر میں ملازمت بھی دلوا دی جائے گی۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

اس تمام کام سے فارغ ہونے میں انھیں کافی وقت گزر گیا۔ اور جب انھوں نے گھڑی کی طرف نظریں دوڑائیں تو پونے نو بج رہے تھے۔ گویا ان کی موت کا وقت اس فون کرنے والے کے مطابق ہونے میں پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اب اس وقت تک نواب شکر خان

بالکل خالی ہاتھ ہو چکے تھے۔

ایک ایک منٹ ان پر قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ پوری طرح چوکس تھے۔ ایسے میں دروازے کی گھنٹی بجی۔

نن-نہیں

"یہ — یہ — یہ کون آگیا؟" نواب تنکا خان بید کی طرح
لرزنے لگے۔
"آپ یہیں ٹھہریں — فاروق، فرزانہ — تم پوری طرح چوکس
ہو جاؤ — اب ان کی زندگی بہت قیمتی ہے۔" محمود بولا۔
"تم بے فکر ہو کر جاؤ۔" فاروق نے فوراً کہا۔
محمود دروازے پر پہنچا:
"باہر کون ہے؟" اس نے پُرسکون آواز میں کہا۔
"ڈاکٹر کپاڈیا۔"
"فرمائیے — کیا کام ہے؟"
"میں دراصل نواب صاحب کے کتے کا ڈاکٹر ہوں۔ اس
کی لاش لے کر آیا ہوں۔"
"اوہ اچھا۔" اس نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔
باہر ایک ایمبولینس کھڑی تھی — اور اس شخص کے جسم

پر ڈاکٹروں والا لباس تھا۔ جو دروازے پر کھڑا تھا:
"تو آپ ڈاکٹر کپاڈیا ہیں؟"
"ہاں بالکل۔"
"آپ کو ایک منٹ کے لیے یہیں ٹھہرنا ہوگا — میں ان
سے اجازت لے آؤں۔"
"ضرور کیوں نہیں۔"
محمود فوراً اندر پہنچا — اس وقت تک فاروق اور فرزانہ
کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر چکے تھے — محمود نے دستک
دی تو فاروق کی آواز سنائی دی:
"کون؟"
"یہ میں ہوں محمود — دروازہ کھول دو — نواب صاحب
کے کتے کے ڈاکٹر کپاڈیا صاحب آئے ہیں اور کتے کی لاش
لائے ہیں۔" اس نے کہا۔
"لیکن — وہ نقلی ڈاکٹر بھی تو ہو سکتے ہیں — جانتے ہو —
نو بجنے میں صرف گیارہ منٹ باقی ہیں۔"
"ہاں! جانتا ہوں — لیکن میں اطمینان کر چکا ہوں —
باہر کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔"
"اچھی بات ہے۔" فاروق نے یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا
اور نواب صاحب سے بولا:

"جلد بتائیں — یہ ڈاکٹر کپاڈیا ہی ہیں؟"

"ہاں! بالکل — آئیے ڈاکٹر صاحب — تو آپ میرے کتے کی لاش کو لے آئے — چلیے پھر اسے دفن کر دیں۔" انھوں نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"آپ ابھی کہیں نہیں جائیں گے — نو بجنے کے پانچ منٹ بعد تک اسی کمرے میں رہیں گے — کتے کی لاش کو بعد میں دفن کر دیا جائے گا — کیونکہ کچھ دیر ہو جانے کی صورت میں کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا — موسم گرمی کا نہیں ہے — کتے کی لاش خراب نہیں ہو گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" نواب صاحب نے کندھے اچکائے۔

نو بجنے کے قریب تو نواب شکر خان کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا — یوں محسوس ہونے لگا، جیسے ان کی جان نکلی جا رہی ہے —

"نواب صاحب — حوصلہ رکھیے — آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔"

"م — میں — میں۔" ان کے منہ سے کچھ نہ نکل سکا۔

"اب تک ہم یہ نہیں سمجھ پائے کہ کتا کس طرح مر گیا۔" محمود بڑبڑایا۔

"اس وقت تو ہمیں نواب صاحب کی فکر کرنی چاہیے۔"

"نو بجنے میں اب صرف چند سیکنڈ باقی ہیں — بس

اب معلوم ہو جائے گا — کیا ہوتا ہے۔"

ان کے دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگے — کمرے کا دروازہ بند تھا — ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی — ان کے دل زور سے اچھلے:

"کک — کون؟" محمود ہکلایا۔

"اکرام فوری۔" باہر سے کہا گیا۔

"ن — نہیں۔" نواب صاحب چلائے — ساتھ ہی ان کے رنگ اڑ گئے —

"دروازہ نہ کھولیے گا — مجھے فون کرنے والے کی آواز اکرام فوری کی آواز سے بہت زیادہ ملتی جلتی محسوس ہوئی تھی۔"

"آپ فکر نہ کریں — ہمارے ہوتے ہوئے — کوئی اکرام فوری یا غوری آپ پر حملہ نہیں کر سکتا — اور نو بجنے تک تو ہم دروازہ ویسے بھی نہیں کھولیں گے۔"

"شش — شکریہ۔"

"بے چارے شکریے کے دو ٹکڑے کر دیے۔" فاروق

نے منہ بنایا:
"نہیں تو — مم — میں نے تو ایسا نہیں کیا۔" انھوں
نے گھبرا کر کہا۔
"بس آپ تو کچھ بولیں ہی نہ۔" فاروق نے فوراً کہا۔
اور پھر نو بج گئے — نواب شکر کے چہرے پر
رونق آنے لگی — دل کی دھڑکنیں معمول پر آتی چلی
گئیں — ان سب نے بھی سکون کا سانس لیا — اور
آخر دس منٹ مزید گزرنے پر کمرے کا دروازہ کھول
دیا گیا — ڈاکٹر کپاڈیا اندر آ گئے —
"خدا کا شکر ہے — نو بج چکے ہیں اور حملہ آور کا
دور دور پتا نہیں۔"
"اس کا مطلب ہے — میں مرنے سے بال بال بچ
گیا — اب تو میں اپنے پیارے کتے کی لاش کو دفنا
سکتا ہوں۔"
"ضرور کیوں نہیں — ہم ابھی کچھ دیر آپ کے ساتھ رہیں
گے — تاکہ آپ کو کوئی پریشانی نہ اٹھانا پڑے۔"
"بہت بہت شکریہ۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔
اور پھر کتے کو پائیں باغ کے ایک کونے میں دفن
کر دیا گیا — انھوں نے نواب شکر خان کی آنکھوں میں

آنسو دیکھے، پھر انھوں نے ان سے اجازت چاہی:
"اب کرائے کا مکان تلاش کرنا ہو گا — ویسے تو آپ
نے بھی وعدہ کیا ہے۔"
"ہاں! یہ انتظام ہم کر دیں گے۔" محمود نے کہا۔
واپسی پر وہ چپ چاپ سے تھے:
"ہمیں کیا ہو گیا ہے؟"
"پتا نہیں — ویسے کچھ نہ کچھ ہو ضرور گیا ہے۔"
"آخر کتا کیوں مر گیا؟"
"بھئی اس کی موت آ گئی اور وہ مر گیا۔"
"لیکن اس کی موت کے وقت کا پتا اس نامعلوم
آدمی کو کیسے لگا؟"
"ہاں! یہ سوال ہمارے لیے بہت الجھن والا ہے —
موت کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں معلوم، پھر
وہ شخص کیسے جان گیا تھا کہ کتا ٹھیک چار بجے مر
جائے گا۔"
"شاید اس سلسلے میں ابا جان کچھ مدد کر سکیں۔"
گھر پہنچے تو ان کے والد آ چکے تھے —
"کہاں سے آ رہے ہو پریشان حال؟"
"جی بس — کیا بتائیں — ایک صاحب ہیں نواب شکر خان

صاحب — انھیں کسی نے فون پر دھمکی دی تھی کہ آج
رات ٹھیک نو بجے وہ دوسری دنیا میں پہنچ جائیں گے۔
اور ان سے پانچ گھنٹے پہلے ان کا کتا مر جائے گا، گویا
کتے کا مرنا اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ان کی موت
آ کر رہے گی — لہٰذا ٹھیک چار بجے — بس وقت
کہ فون کرنے والے نے کہا تھا — ان کا کتا مر گیا۔"
"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا — چہرے پر حیرت بھی
نظر آئی:
"پھر — تم نے کیا کیا؟"
• انھوں نے ساری تفصیل کہ سنائی — وہ سن کر سوچ
میں ڈوب گئے، پھر ریسیور اٹھا کر اکرام کے نمبر
ڈائل کیے:
"ہیلو اکرام — نواب شکر خان کو جانتے ہو؟"
"جی — جی ہاں! بہت اچھی طرح۔"
"جس قدر معلومات بھی مل سکیں — جمع کر کے یہاں
آ جاؤ۔"
"جی بہتر! میں ایک گھنٹے تک آ سکوں گا۔"
"چلو خیر — ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ
کر ان کی طرف مڑے —

"اس سارے چکر میں تمھیں عجیب بات کیا لگی؟"
"یوں تو اس سارے معاملے کی ہر بات عجیب ہے،
لیکن ان کا ساری دولت کو تقسیم کر دینا بہت عجیب لگا،
یوں لگتا ہے، جیسے وہ اس نا معلوم آدمی سے نہیں، کسی اور
چیز سے خوف زدہ تھے۔"
"بہت خوب! میرا بھی یہی خیال ہے — اگر لوگوں کی
موتیں اسی طرح ٹلنے لگیں — یعنی تمام دولت ختم کر کے
تو اس طرح تو ہر کوئی خود کو موت سے بچا لیا کرے گا۔"
"بالکل ٹھیک — وہ خوف زدہ ضرور تھے، لیکن اس
شخص کے اعلان سے نہیں — کسی اور چیز سے — وہ جانتے
تھے — موت تو آ کر رہے گی — موت سے تو کوئی کسی
کو نہیں بچا سکتا — ہاں! ایک ارب خیرات کر کے وہ کسی
اور مصیبت سے ضرور بچ سکتے تھے اور انھوں نے خود کو
موت سے نہیں، اس مصیبت سے بچایا ہے — لیکن وہ
یہ بات کسی کو بتائیں گے نہیں — یہ بات ہمیں خود
معلوم کرنا ہو گی کہ انھوں نے اپنے ایک ارب کیوں
غریبوں میں تقسیم کر دیے۔"
عین اسی وقت ان کے فون کی گھنٹی بجی — انسپکٹر جمشید
نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ایک گھبرائی ہوئی

آواز سنائی دی۔

"ہیلو — یہ انسپکٹر جمشید کا گھر ہے نا جی۔ دیکھیے میں خان توفیق بول رہا ہوں۔"

"خان توفیق" انسپکٹر جمشید چونکے — کیونکہ آئی جی صاحب کے سالے کا نام بھی خان توفیق تھا۔

"جی ہاں! خان توفیق — میں آپ کے آئی جی صاحب کا سالا ہوں۔"

"جی فرمایئے — میں جانتا ہوں۔"

"مجھے ابھی ابھی ایک گمنام فون موصول ہوا ہے — فون پر کسی نے کہا ہے کہ میں صبح سویرے ٹھیک نو بجے مر جاؤں گا۔"

"آپ پریشان نہ ہوں — بھلا اس طرح بھی کوئی مرتا ہے۔"

"لیکن اس نے اپنا نام ملک الموت بتایا ہے۔"

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"جی ہاں! اس کا کہنا ہے — میں ملک الموت ہوں۔ اور کل صبح ٹھیک نو بجے وہ میری روح قبض کرے گا۔ اب آپ خود سوچیں، بھلا ملک الموت بھی کسی کو فون کرکے آتا ہے۔"

"نہیں — یہ ضرور کوئی چکر باز ہے — آپ اس کی بات پر بالکل دھیان نہ دیں — ویسے اس نے اور کیا کچھ کہا ہے؟"

"یہ کہ اس کی بات کی سچائی کا ثبوت یہ ہوگا کہ آج رات ٹھیک — چار بجے — میری پالتو بلی مر جائے گی — اگر وہ مر جاتی ہے تو سمجھیں — آپ کی موت بھی ٹھیک نو بجے ضرور ہو گی — اس کا بس ایک ہی طریقہ ہے — اور وہ یہ کہ میں اپنی تمام دولت غریبوں میں تقسیم کر دوں۔"

"اوہ — ہم آ رہے ہیں — آپ گھر کے دروازے اندر سے بند کروا لیں۔"

"وہ تو میں نے اس کا فون ملتے ہی بند کروا لیے تھے۔" خان توفیق نے کہا۔

"چلیے ٹھیک ہے — آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں — ہم پندرہ بیس منٹ تک پہنچ رہے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑے:

"ہمارے تمام اندازے غلط ثابت ہو گئے — یہ تو کوئی اور چکر ہے — نواب شکر خان نے اپنی دولت واقعی موت کے خوف سے تقسیم کی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے — کوئی شخص ایسا ہے — جو اس منصوبے پر کام کر رہا ہے۔"

"ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اور اب ہمیں اس کا سُراغ لگانا ہوگا۔"

"وہ تو ظاہر ہے — آؤ اب ذرا خان توفیق کے ہاں چلیں — دیکھنا یہ ہے کہ بلی کس طرح مرتی ہے۔"

وہ اُٹھے ہی تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی — انداز اکرام کا تھا — اندر آنے کے بعد اس نے کہا:

"نواب شکر خان کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل ہو گئی ہیں — اور کچھ ابھی ہونے والی ہیں — اس وقت تک یہ باتیں سامنے آئی ہیں کہ اس نے ناجائز طریقوں سے دولت جمع کی ہے — لیکن آج تک اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکا — اسی لیے اسے پکڑا نہیں جا سکا — متعلقہ سب لوگوں کو ہی یہ بات معلوم ہے کہ اس کے پاس ساری دولت ناجائز ہے، لیکن اسے مُجرم کوئی ثابت نہیں کر سکا — اس نے کچھ ایسے طریقے اپنائے کہ وہ ہمیشہ بچتا چلا آیا۔"

"ہوں! اب بات سمجھ میں آئی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی — کیا مطلب — کیا بات سمجھ میں آئی؟"

"یہ کہ کوئی نامعلوم آدمی ناجائز دولت جمع کرنے والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

"تت — تت — تو کیا آئی جی صاحب کے سالے — یعنی خان توفیق بھی ایسا کرتے ہیں — میرا مطلب ہے — ناجائز ذرائع سے دولت کماتے ہیں۔"

"ایسی بات تو اب تک سُننے میں نہیں آئی۔"

"وہاں چل کر ہی کچھ معلوم ہو سکے گا — اکرام تم خان توفیق کے گھر کی نگرانی فوراً شروع کرا دو — ہر آنے اور جانے والوں کو نظر میں رکھا جائے — ان کے نام، پتے اور حلیے — جو بھی نوٹ کیے جا سکیں — کیے جائیں۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — آپ فکر نہ کریں۔"

اور وہ وہاں سے روانہ ہوئے — خان توفیق کی کوٹھی بہت بڑی اور شان دار تھی — وہ دروازے پر ہی ان کے استقبال کے لیے آ گئے:

"آپ کو دروازے پر نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"مجھے صبح نو بجے کا وقت دیا گیا ہے — اور بلی کو صبح چار بجے کا — اس لیے فی الحال تو کوئی خطرہ نہیں۔"

"ہمارے خیال کے مطابق خطرہ ہے — خیر اندر چلیے۔"

وہ اندر آ گئے — ڈرائنگ روم میں آرام سے بیٹھنے

کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"اب ذرا اس نامعلوم آدمی کے الفاظ دہرائیں۔"

خان توفیق نے الفاظ دہرا دیے — وہ بالکل اسی قسم کے تھے — جس قسم کے الفاظ نواب شکر خان سے کہے گئے تھے — انھیں بھی تمام دولت تقسیم کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

"آپ کے پاس کس قدر دولت ہے؟"

"پچاس ساٹھ لاکھ روپے کی تو ضرور ہو گی۔"

"اوہ — اتنی دولت آپ نے کس طرح جمع کر لی۔"

"میں خاندانی رئیس ہوں — میرے خاندان کو انگریزوں کی طرف سے بہت بڑی جاگیر ملی ہے — یہ دولت اس جاگیر کو فروخت کرنے کے بعد حاصل ہوئی تھی۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا — ایک بار پھر ان کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہو گیا تھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے — اس شہر میں آپ پہلے آدمی نہیں، جنھیں اس قسم کا فون ملا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکے۔

"میرا مطلب ہے — آپ سے پہلے ایک اور صاحب — نواب شکر خان کو بھی بالکل اسی قسم کا فون موصول ہوا تھا۔

ان کی موت کا وقت آج رات نو بجے کا تھا — اور ان کے کتے کی موت شام چار بجے بتائی گئی تھی۔"

"اُف مالک — یہ میں کیا سن رہا ہوں — پھر کیا ہوا؟"

"کتا ٹھیک چار بجے مر گیا۔"

"ن — نہیں۔" وہ چلّائے۔

"کتے کے مرتے ہی انھوں نے اپنی تمام دولت غریبوں میں تقسیم کر دی۔"

"اور — پھر — پھر نو بجے کیا ہوا؟"

"ان کی موت واقع نہیں ہوئی۔"

"آپ — آپ کا مطلب ہے — مم — مجھے —"

ساتھ ہی وہ تڑپے گرے اور بے ہوش ہو گئے —

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی —

ایک اور

" محمود ! تم باہر دیکھو — کون ہے؟"

" جی بہتر !" اس نے کہا اور فوراً دروازے کی طرف چلا گیا —

انسپکٹر جمشید تیزی سے خان توفیق پر جھکے — پہلے نبض چیک کی، پھر دل کی رفتار دیکھی — دونوں چیزیں چالو تھیں — اب انھوں نے ان کی آنکھوں کی پتلیاں اٹھا کر دیکھا، پھر سیدھے ہوتے ہوئے بولے:

" صرف بے ہوش ہوئے ہیں — جلد ہی ہوش میں آ جائیں گے۔"

ان کے چہرے پر پانی چھڑکا گیا تو انھوں نے آنکھیں کھول دیں — ادھر محمود آئی جی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوا:

" ارے ارے — یہ انھیں کیا ہو گیا ہے؟"

" آپ بیٹھیں — یہ بالکل ٹھیک ہیں۔"

" معاملہ کیا ہے — انھوں نے ابھی ابھی مجھے فون کیا تھا کہ فوراً یہاں آئیں۔"

انسپکٹر جمشید نے انھیں ساری بات بتا دی — وہ سن کر سکتے میں آ گئے —

" پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

" بلی کہاں ہے — آپ اسے یہیں منگوا لیں۔" انسپکٹر جمشید نے خان توفیق سے کہا۔

" جی اچھا۔"

ایک ملازم کے ذریعے بلی کو وہیں منگوا لیا گیا — وہ بالکل ٹھیک تھی — ہر طرح صحت مند تھی — انسپکٹر جمشید نے اس کے جسم کو بھی چیک کیا — کہیں کوئی گڑبڑ نظر نہ آئی:

" میں ذرا اپنے ڈاکٹر صاحب کو بلا لوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے فون پر کسی کے نمبر ڈائل کیے اور بات کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا — بیس منٹ بعد جانوروں کے ایک ڈاکٹر وہاں پہنچ گئے —

" آپ کو ہم نے زحمت دی۔"

" کوئی بات نہیں — فرمائیے۔"

" آپ ذرا اس بلی کو چیک کریں — کیا یہ بالکل ٹھیک ہے؟"

"کیوں۔ خیر تو ہے۔ نظر تو یہ بالکل ٹھیک آ رہی ہے۔"

"اس کے بارے میں ایک صاحب نے کہا ہے کہ یہ آج رات ٹھیک چار بجے مر جائے گی۔"

"کیا مطلب۔ اسے یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی۔ جب کہ موت کے وقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا۔"

"یہی تو عجیب ترین بات ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے بلی کو اچھی طرح چیک کیا، پھر بولے:

"بلی بالکل ٹھیک ہے۔ اور ابھی یہ چار پانچ سال ضرور اور جیے گی۔ بشرطیکہ کسی حادثے یا بیماری کا شکار نہ ہو جائے۔"

"ہوں! اور اب ذرا خان توفیق صاحب کو بھی چیک کرا لیا جائے۔"

"لیکن میں صرف جانوروں کا ڈاکٹر ہوں۔" ڈاکٹر صاحب نے گھبرا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں انسانوں کے ڈاکٹر کو بھی بلا لیتا ہوں۔"

انھوں نے پھر فون کیا اور جلد ہی ڈاکٹر فاضل صاحب وہاں پہنچ گئے:

"خیر تو ہے انسپکٹر جمشید؟" وہ بولے۔

"آپ ذرا خان توفیق کو چیک کریں۔ ان میں مرنے کے کوئی آثار تو نہیں ہیں؟"

"کک۔ کیا مطلب؟" ڈاکٹر صاحب زور سے چونکے۔

"مطلب یہ کہ انھیں ایک گمنام فون ملا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ یہ صبح نو بجے مر جائیں گے۔"

"ارے باپ رے!" ڈاکٹر صاحب گھبرا گئے۔

"لہٰذا آپ ذرا ان کا معائنہ کر لیں۔"

ڈاکٹر صاحب نے انھیں اچھی طرح چیک کیا۔ اور پھر بولے:

"یہ۔ یہ تو بالکل ٹھیک ہیں۔ ان کا دل ٹھیک کام کر رہا ہے۔ دماغ بھی بالکل فٹ ہے۔ جسم میں اور بھی کہیں کوئی خرابی نہیں ہے۔"

"گویا کسی حادثے کے بغیر ان کی موت صبح نو بجے ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔ لیکن..."

"یہ لیکن کہاں سے ٹپک پڑا؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

ڈاکٹر فاضل مسکرا دیے اور بولے:

"لیکن۔ اگر اللہ چاہیں تو اس صورت میں بھی ان کی

روح ملک الموت سے قبض کروا سکتے ہیں۔"

"ارے باپ رے — یہی تو اس نے کہا ہے۔"

"ک ک — کس نے — اور کیا کہا ہے؟" ڈاکٹر صاحب نے گھبرا کر کہا۔

"اسی نامعلوم شخص نے — کہا ہے کہ وہ ملک الموت ہے۔"

"ن — نہیں۔" وہ گھبرا گئے۔

"اوہو! ڈاکٹر صاحب یہ بات اس نے آپ سے تو نہیں کہی — لہٰذا آپ کو اس قدر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

"اور کوئی خدمت؟"

"ہاں! میں چاہتا ہوں — آپ خان توفیق صاحب کا خون لے لیں اور اسے لیبارٹری میں چیک کرائیں — اس میں تو کوئی خرابی نہیں ہے۔"

"خون میں خرابی۔" ڈاکٹر صاحب بوکھلا اٹھے۔

"جی نہیں — صرف خون میں خرابی۔" فاروق مسکرایا۔

"خون میں اگر کوئی خرابی ہوتی تو دل بالکل ٹھیک کام نہ کر رہا ہوتا۔"

"آپ خون لے تو لیں — لیبارٹری میں اس کا تجزیہ ہو جائے گا۔"

"اور ڈاکٹر صاحب! آپ بلی کا خون لے لیں۔"

"جی — بلی کا۔" ڈاکٹر فاضل بولے۔

"ہاں جناب! اس کیس میں جانوروں کی بھی شامت آئی ہوئی ہے۔"

"کیس ہے کیا؟"

انھوں نے مختصر طور پر ڈاکٹر فاضل کو بتایا کہ معاملہ کیا ہے — پھر دونوں کا خون لے لیا گیا اور تجزیے کے لیے بھیج دیا گیا۔

"جمشید! میں بہت پریشانی محسوس کر رہا ہوں۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

"حوصلہ رکھیں — ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، ایسا واقعہ شہر میں ایک اور ہو چکا ہے — اور جس شخص کو فون کیا گیا تھا — اس کا کتا ضرور مرا — وہ خود نہیں مرا — اس لیے کہ..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"اس لیے کہ کیا؟"

"اس لیے کہ اس نے اپنی ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر دی تھی۔"

"تت — تو کیا میں بھی اپنی دولت غریبوں میں تقسیم کر دوں؟" خان توفیق نے کہا۔

"ہاں! میں تو یہی کہوں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ — یہ تم کیا کہ رہے ہو جمشید — یہ دولت تو توفیق کے باپ دادا کے زمانے کی ہے — انھوں نے کسی ناجائز ذریعے سے نہیں کمائی۔"

"جی ہاں — لیکن یہ بات ہم فون کرنے والے کو کس طرح سمجھائیں۔"

"ہوں! یہ بھی ٹھیک ہے — لیکن ڈاکٹری معائنہ کہتا ہے کہ ان کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"ہاں! اور ڈاکٹر کا خیال غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"میں اپنی ساری دولت تقسیم کرکے زندگی کس طرح بسر کروں گا؟"

"جس طرح نواب شکر خان بسر کریں گے۔"

"کیا مطلب — اس نامعلوم آدمی کا شکار کیا نواب شکر خان ہیں۔" خان توفیق حیران ہو کر بولے۔

"جی ہاں! آپ شاید انھیں جانتے ہیں؟"

"ہاں! بہت اچھی طرح۔"

"اوہو اچھا — تب تو آپ یہ بات بھی جانتے ہوں گے کہ انھوں نے ساری دولت ناجائز ذرائع سے جمع کی تھی۔"

"یہ بات مشہور ضرور ہے، لیکن اس بات کا ثبوت کوئی نہیں۔" خان توفیق بولے۔

"لیکن اب وہ یہ بات تسلیم کر چکے ہیں — موت کے خوف نے انھیں یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔"

"اوہ — اور اسی لیے انھوں نے اپنی تمام دولت تقسیم کر دی۔" خان توفیق بولے۔

"جی ہاں! اب آپ کی باری ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ چاہتے ہیں — میں بھی ایسا ہی کروں۔"

"زندگی بچانے کے لیے ایسا کرنا چاہیے — میں تو یہی کہتا ہوں۔"

"نہیں — وہ کسی بیرونی ذریعے سے وار کرے گا — اور اس وار سے بچانے کے لیے آپ یہاں موجود ہیں، لہٰذا مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے — ہم یہاں موجود ہیں — اور کسی بیرونی حملے سے آپ کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کریں گے — لیکن میں آپ کو ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ — نواب شکر خان کا کتا مر گیا تھا — اس کی لاش کو دیکھ کر انھوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔"

"لیکن میری بلی..." یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنی بلی کی طرف دیکھا —

وہ بہت زور سے اُچھلے۔ ساتھ ہی ان کی نظریں اپنی گھڑی پر پڑیں۔ گھڑی ٹھیک چار بجا رہی تھی۔ اور بلی بالکل ساکت تھی۔ وہ دوڑ کر بلی کے پاس پہنچے۔ اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ خان توفیق زور سے چونکے۔ انھوں نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید بول اُٹھے:

"یہ ضرور اس نامعلوم آدمی کا فون ہوگا، لہٰذا اس سے مجھے بات کرنے دیں۔ تاکہ میں اس کی آواز پہچان لوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔

تیسرا شکار

"ہیلو۔ خان توفیق پلیز۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ آواز خان توفیق کی منہ سے نکالی۔

"نہیں! آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔" دوسری طرف سے ہنس کر کہا۔

"آہا۔ تو تم نے یہ بھی جان لیا۔"

"ملک الموت سے کیا بات چھپی ہے۔"

"غلط۔ بالکل غلط۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا غلط؟"

"غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی نہیں ہے۔ جب نبیوں کو نہیں تو فرشتوں کو کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور پھر..." انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

"اور پھر کیا؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اور پھر یہ کہ تم تو فرشتے بھی نہیں ہو۔ صرف ایک

انسان ہو۔ لیکن میرے دوست تم یہ کیا چکر چلا رہے ہو۔ اس
طرح تم قانون کی نظروں میں مجرم بن چکے ہو۔"

"وہ میں بہت پہلے بن چکا ہوں۔" دوسری طرف سے
کہا گیا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ باتیں فون پر بتانے کی نہیں۔"

"خیر۔ ملاقات کے لیے کب آ رہے ہو۔ یا ہمیں
دعوت دو۔"

"میں اتنا بچہ نہیں۔ لیکن یہ میں بتاؤں گا۔ کہ مجرم
کس طرح بن چکا ہوں۔"

"تب پھر میں کہوں گا۔ اپنے جرائم میں اضافہ نہ کرو۔"

"میرے جو جرائم ہیں۔ ان کی سزا پھانسی سے کم
نہیں ہے۔ لہٰذا مزید جرم کرکے میری سزا میں کوئی اضافہ
نہیں کیا جا سکے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اب آپ سے ہی بات کروں۔ یا آپ ریسیور خان
توفیق کو دیں گے۔"

"نہیں۔ تم خود بات کر لو۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور خان توفیق کو دے دیا۔

خان توفیق نے دوسری طرف سے اسی شخص کو کہتے سنا:

"آپ کی بلی اللہ کو پیاری ہو گئی۔ ہو گئی نا؟"

"لگتا تو یہی ہے۔ پھر؟"

"اب صبح نو بجے آپ کی باری ہے۔ اگر موت سے
بچنا چاہتے ہیں۔ تو ساری دولت نو بجے سے پہلے پہلے
تقسیم کر دیں۔"

"سوری! میں ایسا نہیں کروں گا۔ تم سے جو ہو سکتا
ہے۔ کر لو۔ اب یہ بات تو معلوم ہو چکی ہے نا کہ تم
ایک انسان ہو۔ فرشتے نہیں۔"

"لیکن تمھارے لیے میں ملک الموت ہی ثابت ہوں گے
جس طرح بلی کے لیے ہوا۔ یہاں موجود انسپکٹر جمشید اور ان
کے بچوں نے بلی کو بچانے کے لیے کیا کر لیا۔"

"بلی کے بارے میں وہ بے خبر تھے۔ میری باری میں
خبردار ہوں گے۔"

"تو تم۔ اپنی دولت تقسیم نہیں کرو گے؟"

"نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب صبح نو بجے۔ لیکن۔ کیا ہونا
ہے۔ نو بجنے سے ایک دو منٹ پہلے تم یہ خواہش محسوس
کرو گے کہ کاش میں نے اپنی دولت لوگوں میں تقسیم کر

دی ہوتی۔"

"میں یہ خواہش ہرگز محسوس نہیں کروں گا، کیونکہ مجھے اپنی جان سے زیادہ دولت پیاری ہے۔" خان توفیق بولے۔

"یہ آدمی اس وقت تک کہتا ہے۔ جب تک کہ جان کنی کی حالت طاری نہیں ہوتی۔"

"مجھے کوئی پروا نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب آپ سے صبح نو بجے بات ہو گی۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ خان توفیق نے گفتگو ان کے سامنے دہرا دی، سن کر انسپکٹر جمشید بولے:

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"وہی۔ جو میں نے اس سے کہا ہے۔ آپ یہاں میری حفاظت کے لیے موجود ہیں۔"

"ہم بیرونی حملے کو روک سکتے ہیں۔ اندرونی کو نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ آپ پر کوئی حملہ نہیں ہوگا۔ کیا اس بلی پر کسی نے حملہ کیا تھا؟"

"نہیں۔" وہ بولے۔

"تب پھر۔ آپ پر کیوں حملہ ہونے لگا۔ اور جب حملہ ہی نہیں ہوگا تو ہم بچاؤ کس چیز سے کریں گے۔"

"آپ سن رہے ہیں بھائی جان۔" خان توفیق آئی جی صاحب کی طرف مڑے۔

"ہاں! سن رہا ہوں۔ انسپکٹر جمشید بالکل درست بات کر رہے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ یہ آپ کی حفاظت نہیں کرنا چاہتے یا کر نہیں سکتے۔ لیکن حفاظت بیرونی چیز سے ہی ہو سکتی ہے، اندرونی سے نہیں۔" آئی جی بولے۔

"کیا مطلب۔ آپ آخر کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ۔ ہم نہیں جانتے۔ اس شخص کا طریقہ کار کیا ہے۔ وہ کیا کرتا ہے۔ نواب شکر خان کا کتا کس طرح مر گیا۔ ارے ہاں۔ بھئی جمشید۔ کتے کا پوسٹ مارٹم کرایا گیا ہے یا نہیں۔"

"بالکل کرایا گیا ہے سر۔ اور کتے کی موت قدرتی موت ثابت ہوئی ہے۔"

"نن۔ نہیں۔" آئی جی صاحب ہکلائے۔

"یہ۔ یہ آخر کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ہم خود حیران ہیں۔ لیکن جلد اس کا سراغ لگا لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن کب۔ جب مجھے وہ مار ڈالے گا؟"

"آپ خود اپنی جان کے دشمن بن رہے ہیں۔ دولت

کوئی چیز نہیں — آپ فوراً دولت کو تقسیم کر دیں۔"

" نہیں — ہرگز نہیں — میں غربت کی زندگی نہیں گزار سکوں گا — اس لیے کہ میں نے آج تک غربت نہیں دیکھی، جب سے پیدا ہوا ہوں — آسانیاں ہی آسانیاں دیکھی ہیں۔"

" لیکن موت غربت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔"

" موت تو خیر آ کر رہے گی — اگر میں اس کا مطالبہ مان لوں تو کیا موت سے ہمیشہ کے لیے بچ جاؤں گا؟"

" نہیں — دُنیا کا کوئی انسان بھی موت سے نہیں بچ سکے گا۔"

" تب پھر — وہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔"

" آپ کی باتیں بھی بالکل ٹھیک ہیں — اگر آپ کا وقت نہیں آیا تو وہ صبح نو بجے آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا — اور اگر وقت آ چکا ہے — تو آپ دولت تقسیم کر دیں — تب بھی نہیں بچ سکیں گے — لیکن دونوں صورتوں میں فرق ضرور ہے۔"

" اور وہ کیا؟" انھوں نے فوراً کہا۔

" اگر آپ دولت تقسیم کر کے مرے تو آخرت میں آپ کے لیے بہت آسانی ہو جائے گی — ورنہ پکڑ میں آ جائیں گے۔"

" یہ جاگیر تو میرے باپ دادا کو ملی تھی — اس میں میرا کیا جُرم؟"

" جُرم ہے — اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنے کا — اب موقع مل رہا ہے — لیکن آپ اس سے ہی چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

" کچھ بھی ہو — میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

" آپ کی مرضی۔"

" اِنسپکٹر جمشید کی بات مان لیں توفیق میاں۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

" نہیں — ہرگز نہیں۔"

" ساری دولت دے دینے کی صورت میں مَیں تمھاری مدد کروں گا — تم پھر بھی غربت کی زندگی نہیں بسر کرو گے۔" آئی جی صاحب بولے۔

" آپ — آپ میرا کیا کر لیں گے — کیا دے دیں گے مجھے؟"

" کوئی اچھی سی مُلازمت تو دلوا ہی سکتا ہوں۔"

" اچھی سی مُلازمت اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو ملتی ہے — اور آپ کو شاید معلوم نہیں — میں تو دولت میں کھیلا ہوا تھا — میٹرک بھی مشکل سے کر سکا۔"

"اوہ!" آئی جی صاحب دھک سے رہ گئے — اگرچہ وہ ان کا سالا تھا، لیکن یہ بات انھیں بھی معلوم نہیں تھی — عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی — دوسری طرف ڈاکٹر فاضل تھے:

"خون کی رپورٹ مل گئی ہے انسپکٹر جمشید۔"

"کیا رپورٹ ہے؟" وہ بے چین ہو کر بولے۔

"خون کے سُرخ خلیات بہت تیزی سے کم ہو رہے ہیں — سفید خلیات کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے — ایسا کیوں ہو رہا ہے — یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"اوہ! تب تو ہمیں انھیں ہسپتال لے جانا چاہیے۔"

"ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔" انھوں نے کہا۔

ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑے:

"آپ کے خون کے ذرّات بہت زیادہ تیزی سے کم ہو رہے ہیں اور سفید خلیات بڑھ رہے ہیں — گویا آپ موت کی طرف بہت تیزی سے سفر کر رہے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"اب آپ خود بتائیں — کیا خیرات کرنے سے میرا یہ موت کا سفر رک جاتے گا؟"

"ہاں کیوں نہیں — خیرات ایک ایسا عمل ہے — جو

بلاؤں کو رد کرتا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن خیرات بلاؤں کو اس وقت رد کرے گی، جب روزی حلال کی ہو گی۔" محمود نے فوراً کہا۔

"حرام کی روزی اگر جمع کی ہوتی ہے اور اسے ہم گلے سے اتار دیتے ہیں تو یہ عمل بھی تو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبان کو بلّی میں یہ بات کیوں نظر نہیں آئی — کہ اس کے خون کے سرخ ذرات بہت تیزی سے کم ہو رہے ہیں۔"

"جانوروں کے ڈاکٹر اتنی باریکی میں نہیں جاتے ہوں گے — آئیے اب چلیں۔"

"گویا آپ مجھے ہسپتال لے کر جائیں گے؟"

"ہاں! مجبوری ہے — ورنہ آپ کو شاید بچایا نہ جا سکے۔"

"اور دولت؟"

"وہ اگر آپ پسند کریں تو سا، چیک لکھ کر دے دیں — ہم تمام دولت نکلوا کر صبح سویرے غریبوں میں تقسیم کر دیں گے۔"

"نن نہیں — یہ نہیں ہو سکے گا۔"

"تو پھر چلیے۔"

وہ باہر نکلنے کی تیاری میں لگ گئے۔ انسپکٹر جمشید ایسے میں آئی جی صاحب کو ایک طرف لے گئے اور دبی آواز میں بولے:

"آپ انھیں سمجھائیں۔ ہم ابھی تک مجرم کے طریقۂ کار کے بارے میں کچھ بھی اندازہ نہیں لگا سکے۔ اور اگر انھوں نے دولت خیرات نہ کی تو کہیں وہ کامیاب نہ ہو جائے۔ وہ بیرونی طور پر ہرگز حملہ آور نہیں ہو گا۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ وہ پہلے ہی اپنا کام کر چکا ہے۔ لیکن اس کے پاس اپنے کام کا اثر زائل کرنے کا کوئی طریقہ ہو گا۔ جونہی یہ دولت تقسیم کریں گے۔ وہ اثر زائل کر دے گا۔ اور اس طرح یہ موت سے دو چار نہیں ہوں گے۔ جیسے کہ نواب شکر خان نہیں ہوئے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اپنی کوشش کر دیکھتا ہوں۔ لیکن شخص ہے بہت ضدی۔"

"وہ تو خیر یہ نظر آ رہے ہیں۔"

آئی جی صاحب خان توفیق کے پاس گئے۔ انھیں ایک طرف لے گئے اور بات کی۔ آخر چند منٹ بعد

وہ پھر ان کے پاس آ گئے اور بولے:

"وہ نہیں مان رہا۔"

"چلیے پھر۔ اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

اور پھر خان توفیق کو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر لوگ فوراً اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ بظاہر وہ بالکل ٹھیک نظر آ رہے تھے۔ خون کے خلیات جس آدمی کے اس قدر تیزی سے سفید ہو رہے ہوں۔ وہ بظاہر بھی صحت مند نظر نہیں آتا۔ لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں تھی؛ تاہم ڈاکٹر صاحبان نے جلد ہی جو نتیجہ نکالا، وہ یہ تھا کہ وہ ان کے خون میں ہونے والی خوفناک تبدیلی کو روک نہیں سکے۔

یہ بات اور پریشان کن تھی۔ انھیں یہ بھی بتا دی گئی۔ اب بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوتے۔ بظاہر وہ اب بھی بالکل ٹھیک نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے یہ بات کہی بھی:

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ڈاکٹر صاحبان کے آلات بالکل غلط بتا رہے ہیں۔ میرا خون بھی بالکل ٹھیک ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو کیا میں کوئی تبدیلی محسوس نہ کرتا۔ کمزوری محسوس نہ کرتا۔"

ان کا یہ جواب معقول تھا — ان کے پاس اس جواب کا کوئی جواب نہیں تھا — لہٰذا کندھے اچکا کر رہ گئے —

صبح ٹھیک آٹھ بجے خان توفیق کا معائنہ پھر کیا گیا اور ڈاکٹروں نے یہ خوفناک خبر سنائی کہ ان کے بچنے کا کوئی امکان نہیں رہا — ان کی ساری کوششیں فیل ہو گئی ہیں — وہ ان کے خون کے ذرات کی تبدیلی کو روک نہیں سکے — اور اب یہ چند گھڑیوں کے مہمان ہیں —

"ن — نہیں۔" آئی جی چلاتے — ان کے اور خان توفیق کے گھر والے بھی رونے لگے۔

"ابھی بھی حل ہے — خان صاحب — آپ مان جائیں۔ اس وقت بھی آپ صرف اعلان کر دیں — اور چیک پر دستخط کر دیں — میں فوراً یہ خبر نشر کرا دیتا ہوں کہ خان توفیق اپنی دولت خیرات کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں — تو ہو سکتا ہے — آپ کا مجرم اب بھی اس اثر کو ختم کر دے۔"

"ن — نہیں — نہیں — وہ مجھ سے نہیں جیت سکے گا۔"

"لیکن آپ بھی تو اپنے آپ سے ہار جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"نہیں — میں کسی سے نہیں ہار سکتا — جیت میری ہے اور نہ میں مروں گا — میں بالکل ٹھیک ہوں — مجھے کچھ نہیں ہوا۔"

"آپ کی مرضی۔" انھوں نے کہا اور پیچھے ہٹ آئے۔

ان کے گھر کے افراد نے اور آئی جی صاحب کے گھر کے افراد نے بھی انھیں بہت سمجھایا — لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے —

ایسے میں ہسپتال کے ملازم نے ان کے نزدیک آ کر کہا:

"انسپکٹر جمشید صاحب کے لیے فون ہے۔"

وہ اس کے ساتھ چلے گئے — ریسیور اٹھا کر جب انھوں نے السلام علیکم کی تو دوسری طرف سے وہی پراسرار آدمی بات کر رہا تھا:

"تو آپ کی کوششیں بھی بے چارے خان توفیق کو نہیں بچا سکیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے — میرے دوست — میں تمھارے جذبے کی قدر کرتا ہوں، لیکن یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ اس طرح تم مجرم بن رہے ہو — اپنی فکر کرو — اور یہ کام نہ کرو۔"

"آپ میری فکر نہ کریں — مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔ میں آخر تم تک پہنچ جاؤں گا۔"

یہ سن کر اس نے ایک زور دار قہقہہ لگایا، پھر بولا:

"آپ اور مجھ تک پہنچ جائیں گے۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ اس کیس میں دوسروں کی موت کے ساتھ آپ کی فتح کی موت بھی ہو گی۔"

"خیر۔ دیکھتے ہیں بھئی۔ ویسے بھی میں اب تک کچھ اندازہ لگا چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لگاتے رہیے۔ میری ایک بات پہلے سُن لیں۔ میرا تیسرا شکار سر ابدال ہے۔"

"کیا!!!"

اِنسپکٹر جمشید چلاّئے۔

ترکیب

وہ اُن کی طرف لپکے:

"کیا بات ہے جمشید۔ خیر تو ہے؟"

"جی۔ خیر کہاں۔ اب ہمیں سر ابدال کی فکر کرنا ہو گی۔"

"کیا کہا۔ ہمارے موجودہ وزیرِ خارجہ؟"

"ہاں! اس نامعلوم آدمی کا اگلا شکار سر ابدال ہے۔"

"اُف میرے مالک۔ آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔ یہ کس کس آدمی کو موت کے گھاٹ اُتارے گا؟"

"ویسے اس شخص کی معلومات قابلِ تعریف ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

"کیسے؟" آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"سر ابدال کے بارے میں بھی یہی مشہور ہے کہ انھوں نے دولت ناجائز طریقوں سے حاصل کی ہے اور ان کے پاس بھی انگریز کے دور کی ملی ہوئی بہت جاگیر ہے۔"

"یہ آدمی ہے عجیب۔ لیکن سوال صرف یہ ہے کہ آخر وہ ان لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار کس طرح رہا ہے؟"

"ہاں! ہمیں فوراً یہ معلوم کرنا ہو گا۔ ورنہ ملک میں تو مچ جائے گی کھلبلی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ملک میں نہیں ابا جان۔ صرف ان لوگوں میں جنھوں نے ناجائز طریقوں سے دولت کمائی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" انھوں نے سر ہلایا۔

عین اس وقت فون کی اطلاع پھر ملی۔ لیکن اس مرتبہ فون آئی جی صاحب کے لیے تھا۔ وہ ملازم کے ساتھ چلے گئے۔ واپس لوٹے تو ان کا منہ لٹکا ہوا تھا:

"اس کی اطلاع درست نکلی۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"فون سر ابدال کا تھا۔ مجھے اور تمھیں فوراً بلایا ہے۔"

"آپ نے بتایا نہیں۔ ہم یہاں کن حالات کا شکار ہیں۔"

"سن کر کہنے لگے۔ ٹھیک ہے۔ نو بجے کے بعد انسپکٹر جمشید کو تو بھیج ہی سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ مجھے تو اب یہی کام کرنا ہے۔ ایک مشکل اور ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"مجرم ہمیں سوچنے سمجھنے کی مہلت بالکل نہیں دے رہا، ہم ایک سے فارغ نہیں ہوتے ہیں کہ دوسرے کی اطلاع مل جاتی ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔ اور ادھر نو بجنے والے ہیں۔ آؤ۔ ذرا خان توفیق کو دیکھ لیں۔"

وہ ان کے پاس پہنچے۔ خان توفیق انھیں دیکھ کر ہنسے اور بولے:

"دیکھا آپ نے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو، لیکن ڈاکٹرز کی رپورٹیں کچھ اور کہ رہی ہیں۔"

"وہ تو ہمیشہ کچھ اور ہی کہا کرتی ہیں۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ میں نو بجے کے بعد بھی زندہ رہوں گا۔" انھوں نے ہنس کر کہا۔

"آپ خود کو بالکل ٹھیک محسوس کر رہے ہیں؟" آئی جی صاحب حیران ہو کر بولے۔

"ہاں بالکل۔ مجھے کچھ بھی نہیں ہو رہا۔"

"اور نو بجنے میں اب صرف چند منٹ باقی ہیں۔"

"یہ بات بھی ہے۔ اب بلائیں۔ ڈاکٹر صاحبان کو۔

بلا نہیں نا۔" وہ بولے۔

"اچھا۔" آئی جی صاحب نے کہا اور پھر وہاں ڈاکٹرز آ گئے:

"یہ خود کو بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ جب کہ آپ لوگ ان کی حالت کو حد درجے خطرناک بتا رہے ہیں۔ اب ہم کس کی بات کو درست مانیں؟"

"ہماری۔ کیونکہ آلات غلط نہیں کہا کرتے۔ مریض کا کہنا غلط ہو سکتا ہے۔"

"آپ لوگ ذرا ان کے پاس ٹھہریں۔ اب فیصلہ ہونے میں صرف چند منٹ تو رہ گئے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" ڈاکٹرز نے سر ہلا دیے۔

ٹھیک نو بجے ان کی نظریں۔ خان توفیق پر جمی ہوئی تھیں۔ خود خان توفیق بھی گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے، ایسے میں انھوں نے کہا:

"نو بج چکے ہیں۔ موت کا فرشتہ دور دور تک نظر نہیں آیا۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"نو بجنے میں ابھی چند سیکنڈ باقی ہیں۔"

"چند سیکنڈ اور سہی۔" خان توفیق مسکرائے۔

"آپ کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابھی آپ پتا نہیں ..."

خان توفیق کے الفاظ درمیان میں رک گئے۔ انھیں ایک زوردار ہچکی آئی تھی۔ ساتھ ہی ان کی گردن ڈھلک گئی، انسپکٹر جمشید نے دیکھا۔ گھڑی پر نو بج کر چند سیکنڈ زائد ہو گئے تھے۔ گویا صرف چند سیکنڈ کا فرق پڑا تھا۔

ڈاکٹر گھبرا کر ان پر جھکے اور پھر انھوں نے نفی میں سر ہلا دیے:

"یہ رخصت ہو چکے ہیں۔" انھوں نے گویا فیصلہ سنایا۔

"نہیں۔ نہیں۔" گھر کے افراد چلائے۔

پھر وہاں رونے کی دبی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"جمشید۔ تم باقی لوگوں کو لے کر سر ابدال کے ہاں پہنچ جاؤ۔ میں تو جا نہیں سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بولے۔

اور پھر وہ سر ابدال کے ہاں پہنچ گئے۔ سر ابدال کا رنگ بالکل سفید تھا۔

"یہ کیا چکر ہے جمشید۔ میں نے سنا ہے۔ بالکل اسی قسم کی دھمکی نواب شکر خان کو بھی ملی تھی اور ان کے بعد خان توفیق کو بھی۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔"

"ان دونوں کا کیا بنا؟"

"نواب شکر خان نے فوراً اپنی دولت تقسیم کر دی تھی ۔
لہٰذا وہ تو زندہ بچ گئے ۔ لیکن خان توفیق نے اس نامعلوم
شخص کی باتوں کو پاگل کی کہانی خیال کیا ۔ لہٰذا وہ
ٹھیک نو بجے ۔ میرا مطلب ہے ۔ نو بج کر چند سیکنڈ پر
اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔"

"نن ۔ نہیں۔" وہ چلائے ، پھر جلدی سے بولے ۔

"مجھے تفصیلات سنائیں۔"

انھوں نے تفصیلات سنا دیں ۔ ان کا رنگ زرد پڑ گیا:

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں ۔ کہ اگر میں زندہ رہنا
چاہتا ہوں تو مجھے اپنی تمام دولت خیرات کرنا پڑے گی۔"

"ہاں جناب ! ایسی بات ہے۔"

"تب پھر آپ کس مرض کی دوا ہیں۔"

"ہم مجرم کا سراغ لگانے کی سرتوڑ کوشش کریں گے ۔
اس وقت تک تو اس نے ہمیں فرصت ہی نہیں لینے
دی ۔ لیکن اب ہم اس کا سراغ لگا کر رہیں گے ۔
پہلے آپ بتائیں ۔ آپ کا کیا پروگرام ہے ۔ کیا آپ اپنی
دولت خیرات کرنا پسند کریں گے ؟"

"نہیں ۔ میں اپنی ساری عمر کی کمائی غریبوں کو کیوں
دوں ۔ محنت میں نے کی ہے ، عیش دوسرے کریں۔"

"لیکن آپ اس دولت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں
گے۔" انھوں نے کہا۔

"کوئی پروا نہیں ۔ ہم اس وقت تک ضرور اس مجرم
تک پہنچ جائیں گے ۔ آپ کی مہارت کس دن کام آئے گی۔"

"تو پھر ہمیں اجازت دیں ۔ ہم یہاں رک کر تو مجرم
کا سراغ نہیں لگا سکتے۔"

"ٹھیک ہے ۔ آپ جائیں ۔ لیکن جلد از جلد آنے کی
کوشش کریں ۔ مجھے آج رات نو بجے کا وقت ملا ہے ۔
گویا میں نو بجے مر جاؤں گا ۔ ہے کوئی تک۔"

"اچھی بات ہے ۔ ہم ابھی سے اس پر کام شروع
کرتے ہیں ۔ کیا پہلے آپ کا جانور مرے گا ؟"

"ہاں ! میرا کتا مجھ سے پانچ گھنٹے پہلے مرے گا ۔
میرا مطلب ہے ، یہ اس کا کہنا ہے۔"

"شکریہ ! اب ہم چلتے ہیں ۔ شام کے وقت آپ کے
پاس آئیں گے۔"

"او کے۔" وہ بولے ۔

ابھی وہ زیادہ فکر مند نہیں لگ رہے تھے ۔ شاید اس
لیے کہ ابھی وقت کافی تھا ۔

"ارے ہاں ! آپ کے ڈاکٹر صاحب کا کیا نام ہے ۔"

اور کتے کو کون سے ڈاکٹر چیک کرتے ہیں؟"

" کتے کے ڈاکٹر ہیں — ڈاکٹر کپاڈیا۔"

" اور آپ کے ڈاکٹر؟"

" ڈاکٹر باری۔" انھوں نے بتایا۔

" شکریہ! ان کے فون نمبر مجھے لکھوا دیں ذرا — اُمید ہے، آپ محسوس نہیں کریں گے۔"

" اچھی بات ہے۔"

اور انھوں نے نمبر بھی لکھوا دیے — وہ وہاں سے نکل آئے:

" تم نے اب تک کیا اندازہ لگایا؟"

" ڈاکٹر کپاڈیا کو چیک کرنا ہو گا — یہ شخص نواب شکر خان کے کتے کا بھی ڈاکٹر رہا ہے — اور اب سر ابدال کے کتے کا ڈاکٹر بھی یہی ثابت ہوا ہے — ہاں خان توفیق صاحب سے اب تک معلوم نہیں کیا جا سکا کہ ان کی بلّی کی دیکھ بھال کون سا ڈاکٹر کرتا تھا۔"

" وہ میں ابھی پوچھ لیتا ہوں — ویسے عام طور پر بلیاں بیمار نہیں ہوتیں — کتے بیمار ہوتے رہتے ہیں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ہسپتال فون کیا — آئی جی صاحب اب وہاں نہیں تھے — انھوں نے خان توفیق کے گھر فون

کیا — وہ وہاں مل گئے —

" معاف کیجیے گا — آپ کو ان حالات میں تکلیف دے رہا ہوں — کیا آپ خان توفیق کے ڈاکٹر کا نام بتا سکتے ہیں اور ان کی بلّی کے ڈاکٹر کا بھی؟"

" بلّی کے لیے انھیں کبھی ڈاکٹر کی ضرورت پیش نہیں آئی — اپنا علاج وہ ڈاکٹر باری سے کراتے تھے۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

" کیوں — تم نے اوہ کیوں کہا؟"

" اس لیے کہ سر ابدال کے ڈاکٹر کا نام بھی ڈاکٹر باری ہے۔" انھوں نے کہا۔

" اوہو اچھا — کمال ہے — پھر تو امید ہے — تم بہت جلد اس کا سُراغ لگا لو گے۔"

" امید تو یہی ہے سر — ویسے ایک اور اطلاع بھی ہے۔"

" اور وہ کیا؟"

" سر ابدال کے کتے کے ڈاکٹر کا نام ڈاکٹر کپاڈیا ہے اور نواب شکر خان کے کتے کے ڈاکٹر کا نام بھی ڈاکٹر کپاڈیا ہی ہے۔"

" ارے! یہ کیا؟"

" اب ہم اسی رُخ سے تفتیش کا آغاز کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" انھوں نے جواب دیا اور ریسیور رکھ دیا۔

وہ فوراً ڈاکٹر کپاڈیا کی کوٹھی پہنچے، لیکن وہاں سے پتا چلا۔ وہ ایک دولت مند آدمی کے کتے کا علاج کرنے گئے ہیں۔ انھوں نے ان کے نام پیغام چھوڑا اور ڈاکٹر باری کے کلینک پہنچے۔ ڈاکٹر باری کلینک میں موجود تھے۔ انھوں نے اپنا کارڈ اندر بھجوایا۔ انھیں فوراً ہی بلا لیا گیا۔ حالانکہ باہر مریضوں کا رش تھا۔

انھوں نے دیکھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھے:

"فرمائیے! کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ سر ابدال کے ڈاکٹر ہیں؟"

"جی ہاں بالکل ہوں۔ انھیں کیا ہوا۔ خیریت سے تو ہیں؟"

"اور آپ خان توفیق کے بھی ڈاکٹر تھے؟"

"ہاں بالکل۔ بات کیا ہے؛ لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اس ماہ آپ نے انھیں کس کس تاریخ کو چیک کیا؟"

"آخر میں یہ کیوں بتاؤں۔ بات کیا ہے؟"

"بات بہت خطرناک ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ خان توفیق اس وقت موت کے منہ میں جا چکے ہیں۔ اور سر ابدال جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔"

"جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ کیا مطلب؟" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

انسپکٹر جمشید نے انھیں تفصیلات سنا ڈالیں۔ وہ حیران بیٹھے سنتے رہے۔ ایسے میں ان کا ملازم اندر داخل ہوا:

"باہر مریض پریشان ہو رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں۔ یہ ملاقات آخر کب تک جاری رہے گی؟"

"اوہ ہاں! مریض بھی بیٹھے ہیں۔ آپ کس وقت فارغ ہوں گے ڈاکٹر صاحب؟"

"دو گھنٹے بعد۔"

"خیر۔ ہم ٹھیک دو گھنٹے بعد آئیں گے۔ آپ ان باتوں کے جواب سوچ کر رکھیے گا۔"

"میں ابھی جواب بتا دیتا ہوں۔ میرا اس معاملے سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔"

"پہلے آپ غور کر لیں، پھر ہم آپ کے پاس آئیں گے تو دو دو باتیں کریں گے۔"

اور وہ باہر نکل آئے۔ اب انھوں نے ڈاکٹر کپاڈیا کو فون کیا۔ وہ واپس آ چکے تھے۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچے:

"آپ نواب شکر خان کے کتے کے ڈاکٹر رہے ہیں؟"

"ہاں! مجھے اس کتے کے مرنے کا بہت افسوس ہے۔"

"آپ شوق سے افسوس کرتے رہیے، لیکن نواب شکر خان سے - ہم سے نہیں - ہمیں تو آپ صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ سر ابدال کے کتے کے بھی ڈاکٹر ہیں؟"

"ہاں بالکل - کیا اس میں کوئی حرج ہے؟"

"نہیں - حرج کیوں ہوتا - لیکن جس طرح نواب شکر خان کا کتا مرا - بالکل اسی انداز میں سر ابدال کا کتا بھی مرنے کو ہے - آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"یہ معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"گویا دونوں کتوں کی موت سے آپ کا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔"

"جی نہیں - ہرگز نہیں - آپ کے خیال میں کیا ان کی موت میرے ذریعے سے ہوئی ہے؟"

"ہم تفتیش کر رہے ہیں - آپ سے جو بات پوچھی جائے، صرف اس کا جواب دیں - آپ نے اس ماہ کس کس تاریخ کو دونوں کتوں کو چیک کیا - اپنی ڈائری میں دیکھ کر بتائیں۔"

"ضرور - کیوں نہیں - یہ کیا مشکل ہے۔"

اس نے ڈائری نکالی - اور وہ "تاریخیں لکھوا دیں

جن میں دونوں کتوں کو چیک کیا گیا تھا۔

"کیا ہم آپ کے کلینک کی سیر کر سکتے ہیں؟"

"آخر آپ سوچ کیا رہے ہیں؟"

"یہ کیسے بتا سکتے ہیں - آپ کلینک دکھا رہے ہیں یا نہیں؟"

"تشریف لائیے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

کلینک کی ایک ایک چیز دیکھ ڈالی گئی، لیکن کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں مل سکی - آخر وہ باہر نکل آئے:

"مجھے تو اس کا اس معاملے میں کوئی ہاتھ محسوس نہیں ہوا۔"

"تب پھر - ڈاکٹر باری۔"

"ہاں! انھیں بھی اچھی طرح چیک کرنا ہوگا - ایک منٹ - پہلے میں اکرام کو فون کر دوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے نمبر ملائے:

"السلام علیکم اکرام - یہ نام نوٹ کر لو - ڈاکٹر سپاٹی - اور ڈاکٹر باری - ان دونوں کی نگرانی پر فوراً اپنے آدمی مقرر کر دو۔"

"او کے سر۔"

انھوں نے ان کے پتے اور فون نمبر بھی لکھوا دیے۔

اب وہ نواب شکر خان کے ہاں پہنچے۔

"کیا ہم آپ کی ڈائری یا دوسرے کاغذات دیکھ سکتے ہیں۔ جن میں آپ حساب کتاب یا دوسری باتیں لکھتے ہوں" انھوں نے نواب شکر خان سے کہا۔

"میں ڈائری باقاعدہ لکھنے کا عادی ہوں"

"یہ اچھی بات ہے۔ وہ ذرا ہمیں دکھا دیں"

"جی اچھا" انھوں نے کہا۔

وہ انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلے گئے۔ جلد ہی وہ ڈائری سمیت لوٹا۔ ابھی انھوں نے ڈائری کا پہلا ورق ہی الٹا تھا کہ چاروں زور سے چونکے۔ پہلے صفحے پر ہی لکھا تھا:

"ملک الموت سے بچ گئے۔ مبارک ہو"

"یہ۔ یہ کیا ہے جناب" انسپکٹر جمشید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کہاں۔ کیا" نواب شکر خان بولے۔

"آپ نے ڈائری کھول کر دیکھی۔ ہمیں دینے سے پہلے"

"جی نہیں۔ جس طرح رکھی تھی۔ اسی طرح اٹھا لایا۔ اس لیے کہ اس میں کوئی ایسی بات ہے ہی نہیں کہ میں آپ کو دینے سے پہلے کھول کر دیکھتا۔ ویسے آپ کس بات پر چونکے" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

انسپکٹر جمشید نے ڈائری کا وہ صفحہ ان کے سامنے کر دیا، الفاظ پڑھ کر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"آخر آپ کی ڈائری میں یہ کس نے لکھ دیا۔ اور کیسے؟"

"یہ۔ یہ میرے لیے عجیب ترین بات ہے"

"ہو گی ۔۔ سوال یہ ہے کہ یہ آپ کی ڈائری ہے۔ اس پر یہ الفاظ کس نے لکھے؟"

"کم از کم میں نے نہیں لکھے۔ آخر مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر یہ میں نے لکھے ہوتے تو اس کا مطلب یہ بنتا کہ یہ سارا چکر میں چلا رہا ہوں، جب کہ مجھے ایسا چکر چلانے کی بھلا کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔ یہ آپ ہی بتا دیں"

"نہیں! یہ چکر آپ نے نہیں چلایا۔ اتنا تو ہم جانتے ہیں، لیکن آپ کی ڈائری پر یہ الفاظ۔ آخر کس طرح آ گئے؟"

"میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"خیر! یہ ڈائری ہم اپنے پاس رکھیں گے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں"

"جی نہیں" انھوں نے فوراً کہا۔

"رات سے اب تک آپ سے ملنے کون کون آیا؟"

"ان گنت لوگ — جس جس کو اس واقعے کا پتا چلا فوراً ملنے کے لیے آ گیا — میں تو آج کوئی کام تک نہیں کر سکا۔"

"ہوں — اچھا اب ہم چلتے ہیں۔"

وہ وہاں سے نکل آئے —

"وہ نامعلوم آدمی بہت اطمینان سے یہ کام کر رہا ہے — اسے ڈائری پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی — لیکن اس نے یہ کام بھی کیا — گویا اسے اپنے پکڑے جانے کی بھی کوئی پروا نہیں ہے۔"

"یا پھر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس تک پہنچ ہی نہیں سکتے — حالانکہ اس نے یہ جملہ لکھ کر ہمیں اپنی تحریر کا نمونہ دے دیا ہے اور اب ہم بہت آسانی سے اس تک پہنچ جائیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"خیر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا — ہو سکتا ہے — اس نے اپنی تحریر بدل کر یہ الفاظ لکھے ہوں۔"

"اس کے باوجود تحریر کے ماہر اندازہ لگا لیا کرتے ہیں — اب یہ کیس میں تمہارے سپرد کرتا ہوں — خود میں ذرا آرام کروں گا — بہت تھک گیا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے

عجیب بات کہی۔

"آپ نے کیا کہا — آپ اور تھک گئے ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بھئی — آخر میں بھی انسان ہوں۔"

"آپ انسان ضرور ہیں، لیکن اس دنیا کے نہیں معلوم ہوتے۔" فاروق مسکرایا۔

"سوال یہ ہے کہ اب آپ اس کیس سے ہاتھ کیوں اٹھا رہے ہیں؟"

"یہی بہتر ہے — میں ابھی اور اسی وقت آئی جی صاحب کو لکھ کر دے رہا ہوں۔"

"جی — کیا لکھ کر دے رہے ہیں؟"

"یہ کہ میں اس کیس پر کام نہیں کرنا چاہتا۔" انھوں نے کہا۔

"یہ — یہ ہم کیا سن رہے ہیں۔" فاروق دھک سے رہ گیا۔

"لیکن تم اپنے طور پر کام کرتے رہو گے۔"

"گویا آپ واقعی درمیان سے نکل رہے ہیں۔"

"ہاں! اب یہ کیس شاید انسپکٹر فضلی کے سپرد کیا جائے گا۔"

"بھئی واہ! پھر تو مزا آئے گا۔"

"نہیں! اس سے پہلے ہی شاید کیس ختم ہو جائے گا۔"

"آخر کیسے؟"

"اس لیے کہ تم تفتیش کرتے ہوئے بہت جلد مجرم تک پہنچنے والے ہو۔"

"اگر یہ بات ہے تو ہاتھ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"بس ہے — تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

انسپکٹر جمشید انھیں وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے —

"یہ تو اس طرح چھوڑ کر چلے گئے — جیسے ہمارا ان سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔"

"اس کی ضرور کوئی وجہ ہے — اور علیحدہ ہونے کا فیصلہ انھوں نے مجرم کی تحریر دیکھنے کے بعد کیا ہے شاید۔"

"لیکن اب ہم کیا کریں؟"

"ہم — پپ — پتا نہیں — ارے ہاں — فرزانہ جو ہمارے ساتھ ہے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"مطلب یہ کہ یہ کوئی ترکیب بتا دے گی۔"

"ضرور کیوں نہیں — ترکیب تو مجھے ہی بتانا ہو گی —

اس لیے کہ تم تو عقلیں گھر بھول آئے ہو۔"

"ایسی بات نہیں — ترکیبیں بتانا کام جو تمھارا ہے۔"

"اور تمھارا پانچوں پر چڑھنا۔" اس نے جھلّا کر کہا۔

"رہ گیا محمود بے چارہ — یہ میدانِ عمل میں کودنے کا ماہر ہے — لیکن یہاں تو ہمیں میدانِ عمل دور دور تک دکھائی نہیں دے رہا — پتا نہیں کیا ہو گیا، اس میدانِ عمل کو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اوٹ پٹانگ باتیں بنانے کی بجائے — یہ بہتر ہو گا کہ ہم کوئی کام کی بات کریں۔"

"اس کیس سے متعلق ہر آدمی کی تحریر کا نمونہ حاصل کیا جائے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ کام آسان نہیں ہو گا۔" فاروق نے نفی میں سر ہلا دیا —

"اس کے لیے بھی ترکیب فرزانہ بتا دے گی۔"

"ضرور کیوں نہیں — کان ادھر لاؤ۔"

وہ جو اس کی ترکیب سننے کے لیے فوراً سر آگے لائے تو ناریل ٹکرانے کی آواز گونج اٹھی۔

"حد ہو گئی — تمھیں تو سر آگے لانے کا سلیقہ بھی نہیں ہے — پکڑنے چلے ہو مجرم۔"

"مجرم پکڑنے اور سر آگے کرنے میں بہت فرق ہے۔"
فاروق نے جھلا کر کہا۔

"حد ہو گئی — اب ترکیب سنئے۔ ہو یا میں بھی تم سے الگ ہو جاؤں اور اکیلے ہی اس مہم کو سر کر ڈالوں۔"
فرزانہ نے تلملا کر کہا — دونوں نے سر ایک بار پھر آگے کر دیے —

دونوں فرزانہ کی ترکیب سن کر مسکرا دیے — جلد ہی وہ ایک کوٹھی کی طرف بڑھ رہے تھے —

مزا آرہا تھا

دستک کے جواب میں نواب شکر خان کے ملازم نے دروازہ کھولا:

"اوہو! آپ لوگ پھر آگئے۔"

"جب ہم کسی کیس کو حل کرنے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تو پھر دوسروں کو بھی آرام نہیں کرنے دیتے — خود تو کیا کریں گے۔"

"فرمائیے — آپ اب کیا چاہتے ہیں؟"

"نواب شکر خان سے ایک بار پھر ملنا۔"

"کیوں! کیا کوئی بات پوچھنے سے رہ گئی ہے؟"

"جی نہیں — پوچھنا بات سے رہ گیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب — میں سمجھا نہیں۔"

"ہم آپ کو نہ تو سمجھانے آئے ہیں، نہ آپ سے

سمجھنے آئے ہیں۔ بس آپ نواب صاحب کو اطلاع دیں۔"

"جی بہتر!" اس نے بُرا سا منہ بنایا اور انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا۔ جلد ہی نواب صاحب آ گئے:

"ارے! آپ لوگوں کے ساتھ انسپکٹر صاحب نظر نہیں آ رہے۔"

"یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت ہمارے ساتھ نظر آئیں یا ہم ہر وقت ان کے ساتھ نظر آئیں، کبھی کبھی ہم بالکل الگ الگ اور کبھی کبھی بالکل ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔" فاروق نے وضاحت کی۔

"اچھا اچھا۔ میں سمجھ گیا۔ فرمائیے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ملک الموت نے آپ کو فون کیا تھا؟"

"ہاں! تو پھر؟"

"آپ کو وہ آواز جانی پہچانی تو نہیں لگی تھی؟"

"جانی پہچانی۔ ہاں ضرور لگی تھی۔ لیکن وہ میرا وہم تھا۔ دراصل ملک الموت میرے ایک دوست کی آواز کی نقل کر رہا تھا۔ پہلے میں یہی سمجھا تھا کہ میرا وُہ دوست مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔"

"اوہ! ان دوست کا نام۔ جن کی آواز آپ نے

محسوس کی تھی۔"

"اکرام فوری۔" انھوں نے بتایا۔

"یہ فوری کیا چیز ہے۔ کیا وہ فوری ہے جس کا مطلب ہے فوراً۔" محمود بولا۔

"جی نہیں۔ فوری پر پیش کے ساتھ پڑھیں۔"

"اچھا فُوری صاحب ہیں۔ وہ جیسے طوری۔ آپ اپنے دوست اکرام فوری صاحب کے نام ایک رقعہ لکھ دیں گے ذرا۔"

"کیوں۔ خیر تو ہے؟"

"لگے ہاتھوں ہم ان سے بھی ملنا چاہیں گے۔"

"لیکن اس بے چارے کا اس معاملے سے بھلا کیا تعلق؟"

"بات تعلق کی نہیں۔ کیس کی کڑیاں ملانے کے لیے ہمیں بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ایسے لوگوں سے بھی ملنا پڑتا ہے جن کا کیس سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ میں لکھ دیتا ہوں۔"

اور پھر انھوں نے اپنے دوست کے نام رقعہ لکھ دیا۔ پھر چونک کر بولے:

"لیکن کسی شخص سے ملنے کے لیے آخر آپ کو میرے رقعے کی کیا ضرورت؟"

"ضرورت کی بھی ایک ہی کہی - آپ فکر نہ کریں۔ ضرورت تو کسی چیز کی بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے آپ کو ایک بات بتائے دیتے ہیں۔"

"اور وہ کیا؟"

"آپ کی تحریر کو اب ہم ملک الموت کی تحریر سے ملا کر دیکھیں گے۔ تحریر کے کسی ماہر سے چیک بھی کرائیں گے۔"

"کیا مطلب - کیا آپ الٹا مجھ پر شک کر رہے ہیں، گویا ملک الموت میں خود ہوں - یہ کیا بات ہوئی۔"

"ہم اس چکر میں ذرا کم پڑتے ہیں کہ یہ بات کیا ہوئی، بات بعد میں ہوتی رہتی ہے۔"

"آپ لوگوں کی باتیں سمجھنے کے لیے بھی شاید ہاتھی کا دماغ چاہیے۔"

"اپنے لیے منگوائیں تو ایک ہمارے لیے بھی منگوا لیجیے گا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"کیوں! آپ کیا کریں گے؟"

"بعض اوقات ہمیں بھی تو دوسروں کی باتیں بالکل سمجھ میں نہیں آتیں - اچھا - اب ہم چلتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے - گاڑی میں بیٹھ کر

دونوں تحریروں کو دیکھا - وہ بالکل مختلف تھیں۔ ماہر کو دکھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

"کم از کم یہ کام نواب شکر خان کا نہیں ہو سکتا۔" فرزانہ نے کہا۔

"خیر مکمل طور پر تو یہ بات نہیں کہی جا سکتی - اس لیے کہ ہو سکتا ہے - نواب صاحب بائیں ہاتھ سے بھی لکھ سکتے ہوں - خیر - اب ہم باقی لوگوں کی تحریروں کے نمونے حاصل کریں گے - اس کے بعد سوچیں گے کہ مجرم کون ہے۔"

انھوں نے اسی طرح کیس سے متعلق ہر آدمی سے اس کی تحریر کا نمونہ حاصل کیا - اس سلسلے میں وہ اکرام قُوری سے بھی ملے - وہ دبلا پتلا سا آدمی تھا۔

"تو آپ نواب شکر خان کے دوست ہیں؟"

"جی ہاں! بہت پرانے۔" اس نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں - ہم کس کیس پر کام کر رہے ہیں؟"

"نواب صاحب نے بتایا تھا۔" اس نے کہا۔

"تو آپ کو سب کچھ معلوم ہے - مہربانی فرما کر آپ اپنے ہاتھ کی کوئی تحریر دے دیں۔"

"میں تحریر دے دوں، لیکن میرا اس معاملے سے کیا

تعلق۔" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"بے شک آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں، لیکن ہم لوگ ذرا بال کی کھال اتارنے کے ماہر ہیں۔"

"بال کی کھال اتارنے کے۔" اس نے اور بھی حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! اس لیے کہ کھال کی بال اُتارنے کے عادی نہیں ہیں۔"

"پتا نہیں، آپ کیا کہ رہے ہیں۔" وہ بُرا مان گیا۔

"خیر — ہم سیدھی سی بات کہے دیتے ہیں — اس کیس کے سلسلے میں ہمیں مجرم کی ایک تحریر ملی ہے — اب ہم ہر متعلقہ آدمی کے ہاتھ کی تحریر حاصل کرتے پھر رہے ہیں — تاکہ اس سے ملا کر اندازہ لگا سکیں کہ مجرم کون ہے۔"

"بہت خوب! لائیے — جتنی جی چاہے، تحریریں لکھوا لیجیے — جب میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو تحریر دینے سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔"

اور اس نے تحریر لکھ دی — باہر آ کر اس تحریر کو بھی ملا کر دیکھا گیا — لیکن وہ ذرا بھی ملتی جلتی نظر نہ آئی — ایسے میں محمود بولا:

"اب کیا کریں — یہ ترکیب بھی فیل ہو گئی — کسی

کی بھی تحریر اس تحریر سے نہیں ملتی — نہ سر ابدال کی، نہ ڈاکٹر کپاڈیا کی — نہ دوسرے ڈاکٹر کی — آخر ہم کریں تو کیا؟"

"مجھے سب سے زیادہ شک ڈاکٹر کپاڈیا پر ہے — یہ جانوروں کے ڈاکٹر ہیں — نواب شکر خان کے کتے کے ڈاکٹر بھی یہی ہیں اور سر ابدال کے کتے کے بھی — رہ گئے ڈاکٹر باری — وہ بھی زبردست شک کی زد میں آتے ہیں — ڈاکٹر باری نواب شکر خان کے ڈاکٹر ہیں اور خان توفیق کے بھی۔"

"لیکن یہ سر ابدال کے ڈاکٹر نہیں ہیں — دوسری طرف ڈاکٹر کپاڈیا خان توفیق کی بلّی کے ڈاکٹر نہیں ہیں۔"

"ہاں! یہی تو سب سے بڑی الجھن ہے۔"

"تب پھر فرزانہ — مہربانی فرما کر تم کوئی اور ترکیب سوچ کر بتاؤ۔"

"میں نے ٹھیکا نہیں لے رکھا — اب تم سوچو۔" فرزانہ نے بھنّا کر کہا۔

"ٹھیکا ہی تو لے رکھا ہے — لہٰذا تم ہی سوچو گی۔"

"میں اس ٹھیکے سے باز آئی۔" وہ بولی۔

"چلو — اب تو سوچو — بعد میں ہم تمھارا ٹھیکا کینسل

کرنے نہ کرنے پر غور کریں گے۔"

"حد ہو گئی ۔ اپنی عقلوں کو تو تم آواز تک نہیں دیتے"

"آواز دینے کی بھی ایک ہی کہی ۔ لو ابھی آواز
دے ڈالتے ہیں ۔ اے پیاری عقل ۔ تو کہاں ہے ۔
آواز دے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بس خاموش ۔ اور مجھے ترکیب سوچنے دو۔"

"شکریہ ۔ بہت بہت ۔ لیکن اس بار ذرا زوردار ترکیب
نکال کر لانا اپنی عقل کی پٹاری سے۔"

اور سنو فرزانہ ۔ اب عقل کی بھی پٹاری ہونے لگی۔"
محمود نے منہ بنایا۔

"حد ہو گئی ۔ تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ۔ پٹاری تو کسی
چیز کی بھی ہو سکتی ہے ۔ ہاں البتہ آج کل سانپوں کی
نہیں ہوتی۔"

"کیا مطلب ۔ پٹاری سانپوں کی اب نہیں ہوتی ۔
وہ کیوں ؟"

"ماڈرن ہو گئے ہیں نا ۔ اب انھوں نے پٹاریوں میں
رہنا بند کر دیا ہے۔"

"کن کی بات کر رہے ہو بھئی ؟" محمود نے بے خیالی
کے عالم میں کہا۔

"سانپوں کی اور کن کی کر رہا ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"وحشت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔
ساتھ ہی فرزانہ زور سے اچھلی ،

"اُف مالک ۔ ایک کام تو ہم نے کیا ہی نہیں۔"

"تو اب کر لیتے ہیں ۔ بتاؤ وہ کون سا کام ہے ،
لیکن تم تو کوئی ترکیب ڈھونڈنے چلی تھیں۔"

"یہ بات بھی تو ترکیب کا ہی ایک حصّہ ہے۔"

"اچھا بتاؤ ۔ جلدی کرو۔"

"کان اِدھر لاؤ ۔ اس لیے کہ گاڑی کی دیواروں کے
بھی کان ہوتے ہیں۔"

"تب پھر کان بھی ادھر لانے کی کیا ضرورت ہے ۔
اشاروں میں بات کر لو۔" محمود جل گیا۔

فرزانہ مسکرا دی اور اس نے اپنی بات انھیں بتا
دی ۔ سن کر وہ سوچ میں ڈوب گئے ۔ آخر انھوں نے
اس پہلو سے بھی کیس کا جائزہ لیا ۔ کچھ فون بھی کرنا پڑے ،
جلد ہی ... ایک حیرت انگیز بات ان کے سامنے آئی ،
ان پر جوش طاری ہو گیا ۔

"وہ مارا ۔ آؤ ۔ گھر چلیں ۔ پہلے ابا جان کو بتاتے ہیں۔"
اسی وقت وہ گھر کی طرف روانہ ہو گئے ۔ جونہی گھر

یں داخل ہوتے خان رحمان اور پروفیسر داؤد کی آوازیں ان
کے کانوں سے ٹکرائیں:

"آہا۔ یہاں تو انکلز آئے بیٹھے ہیں" محمود چہکا۔

"آئے نہیں۔ اب تو گئے بیٹھے ہیں"

"جی۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ گئے بیٹھے ہیں" فاروق
۔ لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! مطلب یہ کہ کافی دیر سے آئے ہوئے ہیں۔ اب
تو ہم جانے کے لیے پر تول رہے تھے۔"

"تو اس میں آپ کو پر تولنے کی بھی کیا ضرورت ہے،
ہم آئے ہیں تو آپ کو ابھی کچھ دیر بیٹھنا ہوگا۔"

"پہلے تم یہ بتاؤ۔ کرتے کیا پھر رہے ہو؟"

"کرنا کرانا کیا ہے ابا جان۔ اس کیس کی بھول بھلیوں
میں چکرا رہے ہیں۔"

"یار بھول بھلیوں میں چکرانے کا تو مجھے بھی شوق ہے،
مجھے بھی ساتھ لے لو" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن آپ تو جانے کے لیے پر تول چکے ہیں" فرزانہ مسکرائی

"ان پروں کو ہم بند کر دیں گے۔ تاکہ آئندہ یہ آسانی
سے تولے نہ جا سکیں۔"

"تب تو ٹھیک ہے، آپ ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔"

"میں نے پوچھا ہے، اب تک کیا کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید
نے منہ بنایا۔

انھوں نے تفصیل سنا دی۔

"یہ تو تمھاری کارگزاری ہو گئی۔ نتیجہ کیا نکالا؟" انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔

"سوچ سوچ کر ہم بس ایک نتیجے پر پہنچے" محمود نے کہا۔

"چلو شکر کرو۔ کم از کم ایک پر تو پہنچ گئے" پروفیسر
داؤد خوش ہو گئے۔

"اور وہ نتیجہ یہ تھا کہ نواب شکر خان، خان توفیق
اور سر ابدال ان تینوں سے مشترکہ طور پر کون تعلق رکھتا
ہے۔ یعنی ایسا آدمی کون ہے۔ جس کے تعلقات ان
تینوں سے ہوں۔ کیونکہ اس کیس کا مجرم کوئی ایسا ہی
آدمی ہو سکتا ہے، جس کا کسی نہ کسی طرح ان تینوں
سے تعلق ہے۔ اگر اس کا ان میں سے کسی ایک سے
بھی تعلق نہیں ہے تو پھر وہ مجرم نہیں ہو سکتا کیونکہ
یہ کام صرف اور صرف ایک آدمی کا ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ پھر ایسا کون سا آدمی تمھیں ملا؟" انسپکٹر
جمشید بے چین ہو کر بولے۔

"ہمارا خیال ڈاکٹر کپاڈیا کی طرف سب سے پہلے گیا۔"

کیونکہ جانوروں پر ہاتھ صاف کرنا اس کے لیے بہت آسان
تھا، لیکن اُلجھن یہ آ پڑی کہ ڈاکٹر کپاڈیا خان توفیق کی
بلی کا ڈاکٹر نہیں تھا۔ دوسرا ایسا آدمی ڈاکٹر باری نظر
آیا، لیکن ڈاکٹر باری نواب شکر خان کا ڈاکٹر نہیں ہے،
اور جب ڈاکٹر کپاڈیا کا خان توفیق سے اور ڈاکٹر باری کا
نواب شکر خان سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہے تو وہ یہ کام
کس طرح کر سکتے تھے۔"

"بہت خوب۔ پھر؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انھیں بہت زیادہ مزا
آ رہا ہو ——

بے چارہ

اس کے بعد انھوں نے جو نتیجہ نکالا، وہ بھی انھیں
بتا دیا۔ انسپکٹر جمشید نے انھیں تھپکی دی اور بولے:

"بہت خوب! تم تینوں ضرور میرا نام روشن کرو گے،
اب اگر کسی مہم میں میری موت آئے گی تو اس اطمینان
کے ساتھ مر سکوں گا کہ میں اپنے پیچھے اپنے تین بچے
چھوڑے جا رہا ہوں جو اسلام کی قدروں کو لوگوں کے
دلوں میں بٹھاتے رہیں گے اور ملک و قوم کی خدمت
کرتے رہیں گے۔"

"شکریہ ابّا جان۔"

"لیکن یار جمشید — تم ایسی باتیں نہ کرو — میرا دل
بیٹھنے لگتا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"بالکل — میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہوتا ہے۔"

"لیکن میرے دوستو — موت تو آخر آ کر رہے گی —

کوئی انسان بچا ہے آج تک۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔ پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"اس کیس کے مجرم سے مل لیتے ہیں چل کر۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور پھر وہ ایک بڑی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ ایک گھر کے سامنے گاڑی روک کر وہ نیچے اُترے۔ محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ دروازہ کھلتے ہی ایک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"اوہو۔ آپ لوگ۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو..."

وہ کہتے کہتے رک گیا، کیونکہ باقی لوگوں کو بھی اب اس نے دیکھ لیا تھا۔

"ہم آپ سے ملنے آئے ہیں۔ کیا آپ ہمیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ وہ انھیں باری باری گھورنے لگا۔ جب کوئی کچھ نہ بولا تو اس نے تنگ آ کر کہا:

"فرمائیے۔ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"آپ کو اس ملک اور قوم کے دشمنوں سے شاید بہت

شدید نفرت ہے۔"

"یہ۔ یہ آپ نے کیسے جانا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور آپ چاہتے ہیں۔ جن لوگوں کے باپ دادوں نے انگریزوں سے جاگیریں لے کر مسلمانوں کو ختم کرنے کا کام کیا تھا، ان کی جاگیریں چھن جائیں۔ وہ کنگال ہو جائیں، ان کی زمینیں غریبوں کو مل جائیں۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میرے جذبات یہ ہیں؟"

"اگر آپ کے جذبات یہ نہیں ہیں تو ملک الموت بن کر آپ نے نواب شکر خان کو فون کیوں کیا۔ اور ایسا انوکھا طریقہ کیوں اختیار کیا کہ وہ اپنی تمام دولت خیرات کرنے پر آمادہ ہو گئے۔"

"آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ یہ کام میں نے کیے ہیں۔"

"اگر یہ کام آپ نے نہیں کیے تو پھر کس نے کیے ہیں؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں کیا جانوں۔ اور آپ مجھ سے یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ میرا آخر ان معاملات سے کیا تعلق ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"سنیے جناب۔ میں واضح کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ملک الموت بن کر آپ نے نواب شکر خان کو فون کیا۔

لیکن فون کرنے سے پہلے آپ وہ زہر اُن کے کتے
کو کھلا چکے تھے۔ کتے کو زہر کھلانا آپ کے لیے
ذرا بھی مشکل نہیں تھا، اس لیے کہ کتا آپ سے بہت
مانوس تھا۔ اور گوشت کے ٹکڑے میں یا کسی اور چیز
میں اسے زہر کھلا دینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کام تھا،
اور وہی زہر آپ نے نواب شکر خان کو کھلا دیا —
لیکن پانچ گھنٹے بعد۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ نواب شکر خان زندہ
سلامت ہیں، جب کہ ان کا کتا ..."

"ہاں! ان کا کتا مر چکا ہے — لیکن نواب شکر خان
زندہ ہیں۔ اس لیے کہ جب آپ نے دیکھا کہ نواب
شکر خان اپنی دولت غریب لوگوں میں تقسیم کرنے کے
لیے تیار ہوگئے ہیں تو آپ وہاں گئے اور باتوں باتوں
میں کوئی چیز نواب صاحب کو کھلا دی — وہ ایسی چیز
تھی — جس کے ذریعے زہر کا اثر فوراً دُور ہو جاتا ہے —
لہٰذا وہ نہ مر سکے، لیکن خان توفیق نے بات نہ مانی،
آپ زہر تو پہلے ہی اسے دے چکے تھے — لہٰذا جب
وہ تیار نہ ہوا تو آپ نے بھی زہر کا اثر دُور نہ کیا —
اور اس طرح وہ مر گئے۔ افسوس — آپ نے ایک انسان

کو بھی قتل کر دیا — اس کے بعد باری آئی سر ابدال کے
کتے کی — اور پھر ان کی۔

یہ ہے کُل کہانی — آپ کو اگر ان الزامات پر کوئی اعتراض
ہے، تو آپ وضاحت کریں۔"

"میرا ان تمام واقعات سے بھلا کوئی تعلق کیوں کر ہو
سکتا ہے — اور پھر آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ کام
میں نے کیے ہیں؟"

"ثبوت تو خیر ہمارے پاس ہیں — وہ تحریر جو آپ
ڈائری پر لکھ آئے تھے — اگر خان توفیق نہ مرتے تو میں
آپ کو کبھی گرفتار نہ کرتا اور اس کیس کے معاملے
میں خاموشی اختیار کرتا — حکام کو لکھ کر دے دیتا کہ میں
اس کیس پر مزید کام نہیں کرنا چاہتا — یہ کسی اور کے
سپرد کر دیا جائے — لیکن خان توفیق کی موت نے کام
خراب کر دیا۔"

"اگر آپ کے جذبات یہ ہیں تو میں بھی اب اپنا
جرم نہیں چھپاؤں گا — ہاں! یہ سب کام میں نے
کیے ہیں — مجھے نفرت ہے — ان جاگیرداروں سے —
شدید نفرت — جن کے آباؤ اجداد نے انگریزوں سے بے تحاشہ
زمینیں حاصل کیں اور مسلمانوں سے غداری کی — ان کی

غداری کی سزا آخر کون سا قانون انھیں دے گا — آپ
مجھے تو گرفتار کرنے آ گئے — انھیں کیوں گرفتار نہیں کیا
جاتا — جو بغیر کسی محنت کے ان گنت رقبے کے مالک
ہیں — اور ان زمینوں کے ذریعے وہ آج بھی اپنے
ملازمین پر راج کر رہے ہیں — ایک طرح سے لوگوں
کو انھوں نے اپنا غلام بنایا ہوا ہے۔"

"ہاں! یہ سب باتیں ہمارے علم میں ہیں اور وہ وقت
دور نہیں جب ان سے بھی حساب کتاب لیا جائے گا —
کبھی نہ کبھی تو پکا سچا مسلمان حکمران آئے گا ہی — وہ
آ کر ایسا ضرور کرے گا — لیکن آپ کو قانون ہاتھ میں
نہیں لینا چاہیے تھا — میرے دوست اکرام فوری صاحب"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خان توفیق انکار کر
دیں گے اور موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔"

"لیکن آپ تو ان سے نفرت کرتے ہیں، پھر یہ آپ
کے دوست کس طرح بن گئے؟"

"میں نے انھیں نقصان پہنچانے کے لیے ہی تو ان
سے دوستی گانٹھی تھی — افسوس — میں پوری طرح کامیاب
نہ ہو سکا — ابھی تو مجھے کئی اور جاگیرداروں کو موت کا

پیغام دینا تھا — لیکن آپ کی تفتیش کی گاڑی کچھ زیادہ
ہی تیز رفتار ہے — لیجیے — مجھے گرفتار کر لیجیے۔"

"آپ کو گرفتار کرتے وقت مجھے بہت افسوس ہو رہا
ہے — لیکن میں کیا کروں — کیا کر سکتا ہوں۔"

ان کی آواز جذبات کے بوجھ تلے دب گئی — ان پانچوں
کی حالت بھی ان سے مختلف نہیں تھی —

فائدے کی بات

- آئندہ ماہ آپ ان شاءاللہ ناول "صرف ایک گولی"، "فائل ۱۱۹"، "شیطانی طاقت"، "چالاک"، "کالا طوفان"، "اندھی قید"، "آدھا چہرہ" اور "خفیہ کمرہ" پڑھیں گے۔
- ہر ناول کی قیمت دس روپے ہے۔
- تمام ناولوں کی کل قیمت ۸۰ روپے بنتی ہے، لیکن ادارے سے منگوانے پر آپ کو یہ تمام ناول صرف ۶۲ روپے میں ملیں گے۔
- اگر آپ انسپکٹر جمشید سیریز کے نئے چار ناول منگوانا چاہتے ہیں تو ادارہ آپ سے ۴۰ روپے کی بجائے ۳۱ روپے وصول کرے گا۔ ناول بذریعہ وی پی ارسال کیے جاتے ہیں۔
- پوسٹ مین آپ سے رعایتی قیمت سے ۵ روپے زائد وصول کرے گا۔ اس طرح آپ کو ناول گھر بیٹھے ملیں گے اور نئے چار ناولوں پر ۴ روپے اور مکمل سیٹ پر ۹ روپے کی بچت ہو گی۔
- ہے نا فائدے کی بات۔ خط لکھ کر آرڈر دیں۔ شکریہ!

آرڈر بھیجنے کا پتا:

اشتیاق پبلی کیشنز، ۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں، لاہور

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

— ناول نمبر ۵۰ —

صرف ایک گولی

مصنف: اشتیاق احمد

- ٹھیک دس بجے تم وہاں موجود ہو گے۔
- سیٹھ اس وقت اپنے گھر کے دروازے پر رکے گا۔
- اور گھنٹی بجائے گا — عین اس وقت تم اس پر گولی چلاؤ گے۔
- خیال رہے — گولی ٹھیک دل پر لگے۔
- اور تمہارے پستول میں صرف ایک گولی ہو۔
- ایک حیرت انگیز ناول۔
- مدتوں یاد رہنے والی کہانی۔
- ۲۰ اپریل کو پڑھیے — قیمت: دس روپے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

— ناول نمبر ۵۷۱ —

فائل ۱۱۹

مصنف : اشتیاق احمد

○ گھر کے فرش پر جوتوں کے واضح نشانات دیکھ کر بیگم جمشید بری طرح چونک اٹھیں —

○ گھر کے دروازے اندر سے بند تھے —

○ انسپکٹر جمشید کسی دوسرے شہر گئے ہوئے تھے —

○ محمود، فاروق اور فرزانہ اپنے کمرے میں تھے —

○ ایسے میں انھیں یہ نشانات نظر آئے —

○ اور پھر انھیں ایک خوفناک حقیقت کا علم ہوا —

○ زبردست جوڑ توڑ والا ناول —

○ ۲۰ اپریل کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

— ناول نمبر ۵۷۲ —

شیطانی طاقت

مصنف : اشتیاق احمد

○ دور دراز سے ایک شخص ان سے ملنے آیا —

○ اس کا نام سن کر وہ حیرت میں ڈوب گئے —

○ لیکن اس کی بات سن کر وہ اور بھی حیران ہوئے —

○ ایک نواب کی کہانی — جو شیطانی طاقتوں کا مالک تھا اور اس نے اپنی رانی کو ان شیطانی طاقتوں کے ذریعے قیدی بنا رکھا تھا —

○ رانی نے انسپکٹر جمشید کو مدد کے لیے پکارا تھا —

○ انھوں نے شیطانی طاقتوں کا مقابلہ کس طرح کیا —

○ ۲۰ اپریل کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

— ناول نمبر ۲۷۵ —

چالاک

مصنف : اشتیاق احمد

- ایک بڑے آدمی پر ایک لڑکی کا خوفناک الزام —
- بڑے آدمی کا کہنا تھا کہ لڑکی نے اس کے گھر سے زیورات چرائے ہیں —
- اپنے اپنے الزام میں دونوں بہت مضبوط تھے —
- ان میں سے کون درست تھا اور کون غلط —
- یہ فیصلہ کرنا آپ کے لیے بہت مشکل ہو جائے گا —
- ایک انتہائی حیرت انگیز ناول — جو آپ کو دھوکا دے جائے گا —
- ۲۰ اپریل کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۳۹

کالا طوفان

مصنف : اشتیاق احمد

- ایک بدحواس آدمی نے انسپکٹر جمشید کو ایک لفافہ دیا اور باہر نکل گیا —
- فوراً ہی پستول کا دھماکا ہوا اور اس شخص کی لاش تڑپنے لگی —
- انسپکٹر جمشید باہر آئے تو انھیں ایک جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا —
- فرزانہ کی بلی سومی کا کارنامہ —
- کالا طوفان کون تھا ؟
- آخر میں کالا طوفان جب آپ کے سامنے آئے گا تو آپ دھک سے رہ جائیں گے —
- ۲۰ اپریل کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۴

اندھی قید

مصنّف : اشتیاق احمد

- فاروق نے ایک خواب دیکھا تھا۔
- اور جب اس کا خواب سچا ثابت ہوا تو وہ ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہو چکے تھے۔
- موت انھیں اپنے چاروں طرف نظر آنے لگی۔
- مجرموں نے ایک ہولناک منصوبہ بنایا تھا۔
- ایک خدا ترس نواب سے ملیے، وہ مصیبت زدہ لوگوں کو اپنے گھر میں پناہ دیتا تھا۔
- آخر میں انسپکٹر جمشید نے مجرموں کو کس طرح پکڑا۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ کی نئی کارگزاریاں۔
- ۲۰ اپریل کو پڑھیے۔ قیمت : دس روپے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز نمبر ۱۵

آدھا چہرہ

مصنّف : اشتیاق احمد

- مجرم نے ایک ایسا منصوبہ ترتیب دیا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔
- نواب کریم الدین عجیب وغریب حالات میں فوت ہوئے۔
- نواب کریم الدین کی پہلی برسی پر ایک عجیب وغریب چہرے والے کی آمد۔
- اجنبی کون تھا؟
- وہ کیا چاہتا تھا؟
- مجرم کا منصوبہ کیا تھا؟
- تمام ناولوں سے ہٹ کر منفرد کہانی۔
- ۲۰ اپریل کو پڑھیے۔ قیمت : دس روپے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۱۶

خفیہ کمرہ

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ انھیں ایک عجیب فون موصول ہوا۔
- ○ اس فون نے انھیں ایک عجیب و غریب مصیبت میں مبتلا کر دیا۔
- ○ ایک شخص جو بہت دلیری سے جرم کر رہا تھا، لیکن وہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔
- ○ وہ اس کے ہاتھوں میں کھلونوں کی طرح ناچنے پر مجبور ہو گئے۔
- ○ آخر میں شوکی حیرت انگیز راز سے پردہ اٹھاتا ہے۔
- ○ شوکی برادرز کا ایک یادگار ناول۔
- ○ ۲۰ اپریل کو پڑھیے — قیمت: دس روپے۔

آیندہ خاص نمبر کی جھلکیوں کی ایک جھلک

۱۰۰۰ صفحات کا خاص نمبر

۲۰ جون کو پڑھیے

قیمت: ۸۰ روپے

خاص نمبر ۳۲

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

قیامت کے باغی

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ باطل قیامت کی یاد تازہ کر دینے والا ناول۔

- آپ اس ناول کو باطل قیامت کا دوسرا حصہ یا باطل قیامت کی واپسی بھی کہہ سکتے ہیں۔
- اشتیاق احمد ایک بار پھر ضخامت کی طرف گامزن۔
- ایک ہزار صفحات کا خاص نمبر۔
- کچھ ناول جلد والے بھی تیار کرائے جائیں گے۔
- جلد والے ناول کی قیمت ۸۵/- روپے ہوگی۔
- جلد والے ناول صرف دفتر سے منگوانے پر ارسال کیے جائیں گے۔
- لہٰذا پہلے ہی اپنے آرڈر ارسال فرما دیں۔
- باقی تمام پڑھنے والے بھی اپنے بک سٹالوں پر پہلے ہی اپنی کاپی بک کرا لیں۔
- ورنہ ہر سال کی طرح بہت سے قارئین خاص نمبر سے محروم رہ سکتے ہیں۔
- خاص نمبر "قیامت کے باغی" ۲۰ جون کو آپ کے شہر کے ہر بڑے بک سٹال پر موجود ہو گا۔ ان شاءاللہ۔

- خاص نمبر قیامت کے باغی کی جھلکیاں آئندہ ماہ کے ناولوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

آئینِ بے وفائی

مصنف : اشتیاق احمد

○ "آئین بے وفائی" صرف ایک ناول نہیں — ایک حقیقت ہے — سو فی صد حقیقت —

○ لیکن یہ حقیقت کس کی ہے — آپ کے محبوب مصنف کی یا اس کے کسی عزیز کی — یہ تو آپ "آئین بے وفائی" پڑھ کر ہی اندازہ کر سکیں گے —

○ جن لوگوں نے ناول پڑھا، ان کی آرا آپ ناولوں کے آخر میں پڑھ سکتے ہیں —

○ پہلی فرصت میں پڑھنے کے قابل ناول — آپ ایک بار شروع کرنے کے بعد ہاتھ سے نہیں رکھ سکیں گے —

○ اور آپ کو یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی — یہ ناول مصنف نے اپنے خون سے تحریر کیا ہے —

○ اپنے بک سٹال یا لائبریری سے طلب کریں — کہیں نہ ملے تو دفتر سے رعایتی قیمت ۱۰ روپے میں بذریعہ وی پی منگوائیں —

آئینِ بے وفائی پر تبصرہ

"آئینِ بے وفائی" کے سلسلے میں موصول ہونے والے قارئین کے خطوط —

○

انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! زندگی کی حقیقت پر مبنی ناول آئین بے وفائی پڑھا۔ اشتیاق احمد کا یہ دعویٰ کہ یہ ناول انھوں نے اپنے خونِ جگر سے تحریر کیا ہے، صحیح ثابت ہوا۔ یہ ایک معاشرتی ناول ہے۔ کسی بھی بچوں کے مصنف سے اس قسم کے ادبی ناول لکھنے کی توقع کم ہی ہوتی ہے، لیکن اشتیاق احمد اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں۔ انھوں نے لکھنے کی ابتدا بھی بڑوں کے ناول سے کی تھی اور اس سے پہلے بھی بڑوں کے کئی ناول لکھ چکے ہیں، لیکن یہ ناول ان تمام ناولوں سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ یہ اشتیاق احمد کی آپ بیتی ہے۔

اشتیاق احمد نے جس طرح اس ناول میں تہذیبی،

معاشرتی اور اخلاقی قدروں کو بے نقاب کیا، وُہ قابلِ تعریف ہے۔ آئینِ بے وفائی بے شک بہت اچھی کاوش ہے۔ جس میں معاشرے کے ہر فرد کو اپنا اصلی چہرہ نظر آئے گا۔

ندیم غوری، ۱/۵۔ ایف۔ III ناظم آباد —— کراچی ۱۸

○

ڈیر انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! اُمید ہے، مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

ماہِ رواں کے ناول جلد مل گئے، چاروں ناول پسند آئے۔ "گھناؤنا کھیل" میں انسپکٹر جمشید تمباکو کی تھیلی سے جس طرح مجرم تک پہنچے، وہ واقعی قابلِ داد ہے اور ان کی تفتیش بھی قابلِ تعریف ہے۔ اگر ہماری پولیس بھی اسی طرح باریکی اور دل جمعی سے تفتیش کرے تو کیا مجال ہے کہ مجرم قانون کی گرفت سے بچ سکے۔ "بھوت محل" سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول تھا۔ "خطرے پہ خطرہ" میں آپ اپنا دعویٰ پورا کرتے نظر آئے۔ یہ واقعی ایک نئی پیش کش تھی اور ایک نئے انداز کا ناول تھا۔ "قاتل کے بال" بھی کافی سسپنس فل اور بھاگ دوڑ والا ناول تھا۔ اس میں محمود، فاروق اور فرزانہ کیس حل

کرتے نظر آئے۔ انکل آپ درمیان میں کوئی مشترکہ سیریز لکھیں، جس میں تینوں پارٹیاں ہوں۔ ناول ایسا ہو کہ اس میں شوکی برادرز بھی نمایاں طور پر کام کرتے نظر آئیں، ورنہ جہاں تینوں پارٹیاں اکٹھی ہوئیں وہاں شوکی برادرز صرف باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ سارا کام تو انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید نبٹا لیتے ہیں۔

انکل! آپ کا لہو نامہ "آئین بے وفائی" پڑھا، بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ میں نے اس ناول کی بہت تعریف سُنی تھی۔ بقول آپ کے، آپ نے یہ ناول روشنائی سے نہیں بلکہ اپنے خونِ جگر سے صفحۂ قرطاس پر تحریر کیا ہے۔ میں نے بڑی بھاگ دوڑ کے بعد یہ ناول حاصل کیا ہے۔ اسے آپ نے بڑے دلکش انداز میں تحریر کیا ہے۔ ایک بات میں یقین سے کہ سکتا ہوں کہ ایسا ناول محض ایک افسانہ نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک ٹوٹے ہوئے دل اور ایک لٹے ہوئے شخص کی کہانی ہے۔ جسے لوگوں کی نظروں کے سامنے لانا ضروری ہو گیا تھا۔ پھر کوئی جانی صاحب جیسا مخلص انسان دوست آوٗی کسی باقر خان کی عیاریوں اور جھوٹی محبت کے جال میں نہ آئے، تاکہ پھر کوئی طاہر کسی مہا کی شوخیوں اور چنچل اداؤں کے فریب

...ما نہ آئے، تاکہ پھر کوئی مشرقی خاندان کسی مغربی ذہنیت رکھنے والے خاندان کے ساتھ گھل مل جانے کی حماقت نہ کرے، ورنہ ان کا حشر بھی یقیناً "آئین بے وفائی" کے کرداروں سے مختلف نہ ہوگا۔ اس ناول کو پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ سچائی پر مبنی یہ ناول آپ کی اپنی نوشتہ تقدیر ہے۔ باقر خان جیسے لوگ معاشرے کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کس قدر بدنصیب شخص تھا وہ جو دوسروں کے گھروں میں اندھیرے محسوس کرتا تھا، حالانکہ وہ خود اندھیروں کا باسی تھا۔ اس نے جامی صاحب کی بے لوث محبت اور سچی دوستی کا کس بُری طرح مذاق اڑایا، مگر اس کے بدلے اسے سوائے رسوائیوں کے کچھ نہ ملا۔ اس قدر تنگ نظر، تنگ دل اور حرص و لالچ کے خول میں لپٹے ہوئے آدمی کا یہی انجام ہونا چاہیے۔

انکل آپ بس خوش رہا کریں اور ایسے کم ظرف لوگوں کی یادیں اپنے دل و دماغ سے کھرچ پھینکیں، کیونکہ انھیں بھلا دینا ہی ہماری کامیابی ہے، ورنہ ایسے لوگوں کی یادیں ہمیشہ دل و دماغ میں کچوکے لگاتی رہتی ہیں۔ یہ ناول ایک آئینہ ہے، جس میں باقر خان جیسے بدطینت لوگ اگر اپنی شکل دیکھیں تو مارے خوف کے ان کی چیخیں نکل جائیں۔ والسلام:

محمد حسن سروش معرفت حاجی شمس الدین کریانہ مرچنٹ، محلہ منو آباد، نواب شاہ

گزشتہ ماہ کے ناول

۵۶۲ —	جرم کی آواز	انسپکٹر جمشید سیریز	۱۰ روپے
۵۶۳ —	جرم کی موت	″	۱۰ ″
۵۶۴ —	چوری کا ہنگامہ	″	۱۰ ″
۵۶۵ —	دعوت کا بھوت	″	۱۰ ″
۳۵ —	سوٹ کیس کا سفر	″	۱۰ ″
۳۶ —	دوہری چال	″	۱۰ ″
۱۳ —	گمشدہ جسم	انسپکٹر کامران مرزا سیریز	۱۰ ″
۱۴ —	گونگا پیغام	شوکی سیریز	۱۰ ″